Volume:11 Issue:8 August 2018

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

جنہیں جنت الفردوس کی وراثت ملے گی

مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ (سورۃ المؤمنون)

ترجمہ: یہ ہیں وہ وارث، جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی، یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح: گذشتہ آیات میں مومنین کاملین کے اوصاف کا تذکرہ چل رہا تھا، جو دراصل دنیا و آخرت کے حقیقی فلاح کے ضامن ہیں، ان اوصاف کو بیان کرنے کے بعد اخیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان اوصاف کے حاملین کو ایک عظیم بشارت سے نوازا ہے، جو ہر مسلمان بندہ کی تمنا اور اس کی دعاؤں کا حصہ ہوتی ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حصول کے لئے دعا سکھلائی، جو بشارت نبیوں کو، شہدا کو، علماء عاملین کو حاصل ہے، جو جنت کا اوسط مقام ہے، جس پر رحمٰن کا عرش ہے، یہ وہ جگہ ہے جس کو جنت الفردوس کہا جاتا ہے، یہی جنت الفردوس ان اوصاف رکھنے والوں کو بطور میراث ملے گی۔

یہاں جنت الفردوس کو ان اوصاف کے حاملین کی میراث اس لئے کہا گیا کہ جس طرح وارث کو مال میراث ملنا از روئے شریعت یقینی ہوتا ہے اور یقینی ہوگا، اسی طرح جو بندۂ مومن ان اوصاف کو اپنائے گا اس کو جنت الفردوس کا ملنا یقینی ہوگا۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''ابتدائی آیاتِ میں ذکر کردہ اوصاف پر جو اہل ایمان عمل پیرا ہوتے ہیں وہی جنت کے وارث ہیں، یعنی انھیں جنت میں اپنے مقامات تو ملیں گے ہی، وہ ان مقامات کے وارث بنیں جائیں گے جو حق تعالیٰ نے اہل کفر کے لئے طئے کئے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہذا

جنت میں ایک گھر اور جہنم میں ایک ٹھکانہ بنایا ہے، تو مومنین جنت میں اپنے مکانات پالیں گے اور اہلِ کفر کے گھروں کے وارث بن جائیں گے، اور اہل کفر جہنم میں طے شدہ مکانات پالیں گے۔(حاکم ۲/ ۳۹۳)"

مومنین کاملین کو جنت الفردوس کی نعمت سے نوازے جانے کی تعبیر اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جو چیزیں انسان کی ملکیت میں آتی ہیں، ان تمام میں مالِ میراث ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی ملکیت کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا، ایسی ہی جنت الفردوس میں داخل ہونے کے بعد وہ نعمت ابدی ہوگی زائل نہیں ہوگی، آیتِ مبارکہ میں قد افلح المومنون۔۔ کے بعد جنت الفردوس لاکر اس جانب بھی اشارہ کردیا گیا کہ حقیقی فلاح وہ جنت الفردوس کامل جانا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کو اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کے سوال کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیوں کہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں۔" (رواہ البخاری)

لیکن یہ بات مسلم ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کا ملنا اُتنی ہی عظیم شرائط پر مشتمل ہوتا ہے لہذا جنت الفردوس بہت قیمتی جگہ ہے اس کے حصول کے لئے وہی کچھ شرائط ہیں جو سورۃ المؤمنون کے ابتداء میں ذکر کی گئی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل درجہ کا مومن بننے اور اپنے رضا والے اعمال کی توفیق نصیب فرمائے۔

علمِ دین کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ العالی*

عن أنس بنِ مَالِكٍ رضى الله عنه عن النبيِّ ﷺ قالَ : طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تشریح: علوم دینیہ کی اہمیت پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے؛ مگر اس زمانے میں ان علوم کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے؛ کیوں کہ جتنی مزاحمت بڑھتی ہے مقابلے پر اتنی ہی طاقت وتوانائی صرف کرنی پڑتی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ آج کے دور کو کمپیوٹر اور ٹکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے، دنیوی علوم برق رفتاری سے ترقی کرتے جارہے ہیں، ماہرین تعلیم کے مطابق پہلے سو سال کے اندر علم جتنا ترقی کرتا تھا آج دس سال کے عرصے میں اتنی ترقی ہورہی ہے، ہر روز نئے انکشافات، اختراعات اور ایجادات منظر عام پر آرہے ہیں؛ جن کی چمک دمک دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہورہی ہیں اور ہر کوئی ان پر اس طرح مٹا جارہا ہے گویا یہی مقصد تخلیق ہے۔ ایسے دین بیزار ماحول میں علم حقیقی کی ضرورت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ علم حقیقی وہ علم ہے جس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانا جائے، آخرت کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوا جائے مرضیات خداوندی کو ہر آن ملحوظ رکھا جائے۔

آج دشمنان اسلام علوم دینیہ کے مراکز کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں، شریعت مطہرہ کو مجروح کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں اور عوام کا رشتہ مدارس سے کاٹنے کے مختلف حربے اپنائے جارہے ہیں، ایسے میں علم دین کی وقعت ہمارے دلوں کے اندر پیوست ہونی چاہیے، اس کی اہمیت کا احساس ہردم پیش نظر رہنا چاہیے؛ کیوں کہ یہی علم ہمارے لیے متاع آخرت اور موت کے بعد کام آنے والا سرمایہ ہے۔

---

* مہتمم دارالعلوم دیوبند

بزرگان دین کہتے ہیں کہ علم حقیقی دراصل وہی ہے جس کے ذریعہ بندہ علیم تک پہونچے، اگر علم، علیم تک پہونچانے والا نہیں ہے تو پھر ہمیں غور کرلینا چاہیے کہ ہم کیا حاصل کررہے ہیں۔۔۔؟؟

موجودہ مسلم معاشرہ میں غور کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشی خوشحالی، دولت کی فراوانی اور تعلیم کے شوق نے آج کنڈرگارڈن، نرسری اسکول، ہندی اور انگلش میڈیم اسکولوں کی طرف قوم کا رخ پھیر دیا ہے، میں اس کی مخالفت نہیں کررہا ہوں، خود ہمارے اکابر ہمارے بزرگ اس طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں کہ دینی ماحول میں، دینی شناخت کے ساتھ، دینی نصاب تعلیم کے ساتھ اعلیٰ معیار کے انگلش میڈیم اسکول ہونے چاہئے، جہاں ہمارے بچے تعلیم حاصل کریں!

اب الحمدللہ! بہت سے علاقوں میں اس طرح کے ادارے قائم ہوبھی گئے ہیں؛ لیکن وہ گنتی کے چند ادارے ہیں، عموماً انگلش میڈیم اسکول کے جو تعلیمی ادارے ہیں وہاں نہ نصاب میں دینیات کا کوئی حصہ ہے نہ تربیت کا کوئی نظام ہے، نہ پڑھانے والوں کی ٹریننگ کا کوئی بندوبست ہے نہ ذمہ داروں کے سامنے کوئی بہتر لائحۂ عمل ہے، یہ تجارتی نکتہ نظر سے پیسہ کمانے کے لئے اسکول قائم کررہے ہیں اور وہاں کے اچھے یونیفارم، وہاں کے ڈسپلن، وہاں کے پڑھنے والے بچوں کی زبان اور ان کے اندازِ گفتگو سے متاثر ہوکر لوگ اپنے بچے کو داخل کررہے ہیں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر بچوں کو ابتداً دینی تعلیم نہیں دلائی گئی، مکتب میں نہیں پڑھایا گیا، مدرسہ میں تعلیم نہیں دی گئی اور براہ راست ایسے اسکولوں میں داخل کردیا گیا جہاں دینی تعلیم کا کوئی عنصر نہیں، دینیات پر کوئی توجہ نہیں تو وہ دین سے نابلد رہ جاتے ہیں، اور پھر ادھر ادھر کی جو باتیں ان کے کان میں پڑتی ہیں اور جو نظریات ان کے سامنے آتے ہیں ان سے مقابلہ کرنے کی یا کم از کم ان کو نامانوس اور اپنے ذہن سے غیر آہنگ سمجھنے کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا ہے، اس لئے اولیاء طلبہ بالخصوص والدین کو اس سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلوائیں، ان کی اسلامی تربیت کریں، ان کو فرائض اور ضروری مسائل سیکھنے کا مکلف بنائیں تاکہ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته کے تحت کل قیامت میں عتابِ خداوندی سے محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اندر علوم دینیہ کی اہمیت کا احساس اور اس کے حصول کے لیے کوشاں رہنے کا جذبہ پیدا فرمائے۔ آمین

تزکیۂ نفس، دنیا سے بے رغبتی اور وقت کی حفاظت علماء کے لئے اہم اور ضروری سرمایہ ہیں۔

حضرت مولانا سلمان صاحب مظاہری مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا یہ نہایت مؤثر اور فکر انگیز خطاب ۲۸/نومبر 2015ء کو ادارہ اشرف العلوم کے اساتذۂ کرام سے ہوا تھا، دیگر علماء و مدرسین کی خدمت میں بغرض افادہ واستفادہ پیش کیا جارہا ہے۔

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ سب حضرات علماء ہیں اور علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں، اس سے بڑی کونسی سعادت ہوگی جو اللہ نے ہمیں اور آپ کو عطا فرمائی ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہے تب ہی علم دین اور دین کی خدمت کے لئے ہمیں اور آپ کو منتخب کیا، ورنہ تو نہ جانے دنیا میں کتنے لوگ دنیا کے کن کن کاموں میں مشغول ہیں، آپ دیکھیں کلمہ والے بھی ہیں، نماز والے بھی ہیں، اللہ نے جس کو بھی جو صلاحیت دی ہے وہ اس میں منہمک ہے؛ مگر امت کا منتخب طبقہ بالاجماع و بالاتفاق وہی ہے جو علم دین کی خدمت میں مشغول ہے، علم دین کی فضیلت کے اعتبار سے تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ سب کہتے سنتے ہی رہتے ہیں، اصل چیز علم نافع ہے جو مانگا گیا ہے اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی گئی ہے، ہم میں سے ہر شخص کو جسے اپنے عالم ہونے کا خیال رہتا ہے تو اسی طرح یہ فکر بھی ہونی چاہیئے کہ میرا علم نافع ہے یا نہیں؟ علم کا نفع ایک تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو پڑھائیں یہ بھی بہت بڑا نفع ہے، ورنہ علم غیر نافع کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایک شخص عالم ہے اور بہت بڑا عالم ہے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھار ہے ہیں۔ شمس الائمہ حلوانیؒ نے تعلیم المتعلم میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ کسی مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں علماء وفقہاء سب اپنے استاذ محترم سے ملنے کے لئے آئے، ایک عالم نہیں آسکے، ایک دو دن کے بعد انھوں نے پوچھا کہ فلاں صاحب ملاقات کے لئے نہیں آئے، بعد میں کسی موقعہ

پر ملاقات ہوئی اورانہوں نے معذرت کی کہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکا۔

استاذِ محترم نے ارشاد فرمایا کہ علم کا جو نفع ہے اور دوسروں تک علم پہونچنے کا جو ذریعہ ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا، علم تو ہے عالم بھی ہیں، گھر پر اپنی والدہ کی خدمت کر کے کیا کچھ کمارہے ہیں؛ لیکن علم نافع یعنی اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ بھی ہو یہ اللہ کی توفیق کی بات ہے؛ اسی لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ دعا مانگی اللھم انی أسئلک علما نافعا اے اللہ! مجھے نفع والا علم عطا فرما، اگر اللہ علم نافع دیتے ہیں اور ان کے ہاں قبولیت بھی ہوجاتی ہے تو پھر مقبولیت کا کیا ٹھکانہ ہے؛ کنوئیں میں بیٹھ کر بھی مبسوط جیسی کتاب لکھائی جاسکتی ہے۔ ایک بڑے فقیہ کے بارے میں آتا ہے کہ بادشاہ نے کنوئیں میں بند کردیا، کنوئیں کے اندر محبوس تھے اور وہیں سے مسائل فقہیہ لکھوار ہے ہیں، ایسے مسائل فقہیہ کہ کتاب کا نام بھی مبسوط رکھا گیا ہے، ایسی بسط وتفصیل والی کہ جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، معلوم ہوا کہ اگر علم نافع ہے تو کنوئیں سے بھی نفع دے رہا ہوتا ہے۔

ہمیں اللہ نے ایسے ذرائع دیے ہیں ایسے وسائل عطا فرمائے ہیں، لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں، ہمارے لئے سب کچھ سہولتیں ہیں، صرف فرشتے ہی پر نہیں بچھاتے الحمد للہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی علماء کی عظمت ورفعت رکھنے والے، علماء سے محبت کرنے والے بہت لوگ موجود ہیں، ہمیں ان مواقع سے اپنے لئے کم سے کم یہ موعظت ونصیحت ہونی چاہئے کہ ہمارا علم نافع ہو، ہم سے لوگوں کو فیض پہونچے، جو کچھ ہمیں ملا ہے جتنی ہماری صلاحیت واستعداد ہے وہ سب عوام الناس تک پہونچا دیں۔

تزکیہ کی ضرورت

اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ آدمی خود کامل ومکمل ہو، علم تو بے شک آگیا، یہ بھی علم کا کمال ہے لیکن قرآن کریم نے صرف یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ نہیں کہا وَیُزَکِّیْھِمْ بھی فرمایا اللہ نے ہمیں اور آپ کو یہ دو دولتیں دی ہیں تعلیم کی، حکمت کی، تفقہ فی الدین کی اور اس کے ساتھ ساتھ ''وَیُزَکِّیْھِمْ'' ذرا اپنے نفس کا تزکیہ کرو، ہمارے اکابر اور بزرگوں کا دنیا بھر کے دیگر علماء کے مقابلہ میں خصوصی امتیاز تزکیہ نفس کا ہے، دل میں اللہ کا خوف اور اس کا دھیان پیدا ہوجانا اور جب یہ خوف دل میں پیدا ہوتا ہے تو اسے اپنی کمیاں نظر آتی ہیں، جیسے آئینہ میں آدمی ہر چیز دیکھ لیتا ہے، صاف شفاف آئینہ ہے تو داغ دھبہ نظر آجاتا ہے، اگر ہم اپنے قلب کو آئینہ بنائیں تو اپنے اندر جو جو کمیاں اور عیوب ہیں نظر آجائیں گے، ان عیوب کے ہونے کا اگر واقعی احساس ہوجائے تو دوسروں کے عیوب کے بجائے آدمی محنت اور کوشش کر کے اپنے عیوب کو دور کرنے کی فکر میں لگ جائے

گا اور جب آدمی اپنے کو کامل کر لے گا تو پھر اللہ اس کے فیض کو بھی خوب عام فرمائیں گے، دنیا میں بڑے بڑے علماء موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے علماءِ دیوبند نے علم دین کی جو خدمت کی ہے صرف تعلیم تعلّم اور تفقہ کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ قلب ونظر سے نہ جانے کتنے ہی لوگوں کو فیض پہونچا یا ہوگا۔

حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ علماء کرام میں الحمدللہ اپنے علم کی برکت سے ظاہری عیوب اور ظاہری معاصی کا خوف اور ان سے بچنا، ان کو برا سمجھنا عام ہے، ہم اور آپ گناہ کو برا سمجھتے ہیں، چوری، غیبت دیگر چیزوں کو برا سمجھتے ہیں، الحمدللہ ان سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اس کے بالمقابل تھوڑا سا دھیان اور خیال کرو کہ جو باطنی عیوب ہیں انہیں بھی ہم اتنا برا سمجھتے ہیں یا نہیں؟ ان سے بھی اتنا بچتے ہیں؟ ارشاد فرمایا بہت سارے باطنی معاصی ایسے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان کی قباحت تک نہیں ہے، چہ جائیکہ ان سے بچیں، (حضرت ہی کا ملفوظ نقل کر رہا ہوں) ارشاد فرمایا: مثال کے طور پر زنا ہے الحمدللہ کوئی ایک عالم بھی ــــ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ــــ اس گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا، بچتا بھی ہے دوسروں کو بچاتا بھی ہے، لیکن ذرا غور کریں کہ اگر دل میں تکبر آ گیا تو کیا قباحت کے اعتبار سے وہ زنا، چوری، بدکاری جیسے گناہوں سے کیا کچھ کم ہے؟ ہمارے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ فرماتے تھے: حدیث شریف میں صاف آتا ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قال الله لا اله الا الله دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق ــــــ کلمہ پڑھنے والا بہرحال جنت میں جائے گا چاہے زنا کیا ہو، چاہے چوری کی ہو، اور اس کے بالمقابل کیا فرمایا لا يدخل الجنة من كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من كبر ــــ او كما قال عليه السلام ــــ رائی کے دانے کے برابر بھی اگر تکبر ہے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، تقابل کیجئے ہمارے اور آپ کے ذہن میں تکبر کی اتنی شناعت ہے؟ حضرت مولانا تھانویؒ نے (حضرت کے سارے ملفوظات تربیت والے ہوتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تحقیق والے بھی ہوتے تھے) ارشاد فرمایا اگر غور کر کے دیکھا جائے تو علماء میں تکبر ایسی بری بیماری ہے کہ بالکل اخیر میں نکلتی ہے اور اخیر میں بھی نکل جائے تو یہ اللہ کا فضل ہے، ورنہ یہ نکلتی ہی نہیں، یوں زبان سے تو تواضع کے جملے بولتے رہتے ہیں حقیر، ناچیز، فقیر، نہ جانے کیا کیا القاب وآداب ہماری اور آپ کی زبانوں پر ہیں، ارشاد فرمایا: تواضع جو تکبر کا مقابل ہے اس تواضع کا زبان سے کوئی تعلق ہی نہیں زبان ہی سے تو کہہ رہے ہیں ناچیز ہے، حقیر ہے، فقیر ہے اور ہم کچھ بھی نہیں! مگر کیا دل بھی اس کو قبول کر رہا ہے، ارشاد فرمایا: اسی مجلس میں کہہ دیا جائے کہ تم بے شک واقعی حقیر فقیر ہو، فوراً چہرہ بدل جائے گا، حضرت تزکیہ فرماتے اور دلوں کو ٹٹولتے تھے، ہم اور آپ جو کہہ رہے ہیں حقیر فقیر، حضرت نے فرمایا اگر یہی جملہ میں کہنے لگوں حالاں

کہ تمہارا شیخ بھی ہوں پیر بھی ہوں کہ بے شک آپ بالکل حقیر فقیر ہیں تو تمہارے چہرے پر بھی تغیر آجائے گا۔ پھر یہ کیسی تواضع ہوئی؟ تواضع تو قلب کی کیفیت کا نام ہے اور یہ کیفیت ایسے ہی نہیں پیدا ہوجاتی، میں نے کہہ دیا آپ نے کہہ دیا انہوں نے کہہ دیا کتابوں میں پڑھ لیا، جی! اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا: اس کے لئے بزرگوں کی صحبت میں جانا ہوگا، اپنے کو ان کے سامنے مٹانے کی، فنا ہونے کی کوشش کرنا ہوگا، اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر یوں سمجھ لینا ہوگا کہ جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہے کہ ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتے جو کچھ کر رہا ہے دوسرا کر رہا ہے۔

ارشاد فرمایا: جب کسی بزرگ کے ساتھ آپ کا یہ تعلق قائم ہوا اور وہ آپ کی باریکیوں پر، آپ کی اندرونی کم زوریوں پر نگاہ ڈالے اور اس کا علاج تجویز کرے اور ہم اس پر عمل کرتے رہیں تو اس کا علاج کرتے کرتے نہ جانے ـــ اللہ توفیق دے ـــ کب ہمیں اور آپ کو کامیابی ملے، ہمارے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے اصل دولت یہی عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ، حاجی امداد اللہ صاحبؒ، اور ہمارے جتنے اکابر بزرگانِ دین گذرے ہیں یہ لوگ نرے عالم نہیں تھے، یہ صرف مدرسہ والے ہی نہیں تھے، یہ خانقاہ والے بھی تھے، خانقاہی نظام اور خانقاہی اعتبار سے اصلاح و ذکر والے تھے۔

ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کسی بزرگ کی صحبت میں جا کر ـــ اللہ توفیق دے ـــ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے معائب دور کرنے اور نفس کے مکارہ سے اپنے کو پاک کرنے میں ہمہ تن مشغول ہوں اور ہمیں اس کی فکر ہو تو ان شاء اللہ یہ ہمارا علم علمِ نافع ہوگا، اور صرف ایسا نفع دینے والا نہیں کہ مدرسے چمکیں گے نہیں پورے عالم میں چمک ہوگی۔ ان بزرگانِ دین نے جو محنتیں کی ہیں پورے ماحول کو پاکیزہ بنایا ہے۔

آج بہت سارے حضرات علماء کرام اپنی اپنی جگہوں پر موجود ہیں، مسجدوں میں، مدرسوں میں اور الحمد للہ صبح سے شام تک دین کی خدمت میں لگے رہنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، لیکن یہ بات کہ اپنے بننے کی فکر، اپنے رذائل کو دور کرنے کی فکر اور اپنے نفس کو پاکباز کرنے اور دل کو آئینہ جیسا بنانے کی فکر اور اس کے لئے جو محنت ہے واقعہ یہ ہے کہ آج اس کا ماحول ختم ہوگیا ہے خیال اور دھیان ہی نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں یہ اثر رکھا تھا کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں پہونچ گیا ایمان کی حالت میں اس نے آپ کی زیارت کرلی اور آپ کے فیضِ صحبت سے تھوڑی دیر کے لئے بھی اگر مستفیض ہوگیا تو بس اس کا قلب بالکل مجلّٰی و مصفّٰی ہوگیا، کسی مجاہدہ کی ضرورت ہی نہیں تھی، اللہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورِ نبوت کی شعاعوں کو جو صحابہؓ کے قلوب پر پڑتی تھیں اتنا مؤثر بنایا تھا کہ جس کے بعد کسی اور علاج کی، کسی

مجاہدے کی، کسی قربانی کی، کسی قسم کی محنت اور مشق کی ضرورت نہیں تھی۔ بس آپ کی مجلس میں گیا اور جاتے ہی قلب کی کایا پلٹ گئی، حضراتِ صحابہؓ کیا فرماتے تھے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے، آپ کا کلمہ پڑھنے سے پہلے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مبغوض چہرہ ـــــ نعوذ باللہ ـــــ آپ کا تھا اور اب احب الوجوہ الینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کا چہرہ محبوب نہیں، ایسے قلب کی کایا پلٹ جاتی تھی، حضرت نے فرمایا: انھیں تو مجاہدہ کی ضرورت نہیں تھی، ہمیں اس کی ضرورت ہے، ہم اپنے نفس کے خلاف مجاہدے کر کر کے اپنے قلب کو اگر تھوڑا بہت بھی مصفّٰی بنالیں، پھر دیکھیں ہمارا علم کتنا نافع ہوگا اور کتنے لوگوں کو اس سے فیض پہونچے گا۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں میں نے پڑھا (اور یہ سارے حضرات اکابر ایسے ہیں کہ ان کے ملفوظات یقین جانیے صحبت کے قائم مقام ہیں، بڑے بڑے بزرگانِ دین جو دنیا سے چلے گئے اور ہم ان کی صحبتوں سے محروم ہیں، ان کے ملفوظات، ان کے بیانات، ان کی مجالس کا آپ مطالعہ کریں یقین جانیے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کسی شیخ کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے ملفوظات ایسے ہیں کہ ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں ہی نے اصل علم حاصل کیا ہے، عجیب وغریب بیانات ان حضرات کے ہیں؛ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا تفقہ دیا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کی خدمات ان ہی حضرات کے ذریعہ ہوئی،) ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں دیوبند میں تھا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طبیعت تھوڑی سی ناساز تھی، نماز کے لئے مسجد جارہا تھا سونچا کہ حضرت کے گھر ہوتے ہوئے جاؤں، میں نے دیکھا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ چارپائی پر پیر لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے اور سر پکڑے ہوئے ہیں، میں نے سونچا شاید طبیعت خراب ہے، بالکل خاموش اور نڈھال تھے، میں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا، دیکھا اچھا مولوی شفیع ہے! میں نے کہا: جی حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ طبیعت ٹھیک ہے؟ حضرت نے ایک آہ بھری! آہ کیا پوچھتے ہو یہ سوچ رہا ہوں کہ زندگی بھر دار العلوم میں پڑھا یا دار الحدیث کے اندر بیٹھ کر حدیث کے بابوں میں جو کچھ تقریر اور جو کچھ توجیہیں ہم نے کی اور ساری زندگی کی؟ بس اتنا ہی تو کیا ہے کہ مذہب حنفی کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی، اپنے دلائل بیان کرنے اور دوسروں کے دلائل کے جوابات دینے میں اپنا پورا وقت گذار دیا، پوری زندگی اسی میں صرف کردی، یہ سوچ رہا ہوں کہ قبر میں پہونچوں گا تو منکر نکیر سوالات لے کے آئیں گے یہ سوال تو کریں گے نہیں کہ حنفی مذہب راجح ہے یا شافعی مذہب؟ وہاں جو سوال ہوگا اپنے عمل کا سوال ہوگا من ربک؟ و من نبیک؟ و ما دینک ساری زندگی جس کام میں لگا دی ہے سوچ رہا ہوں کہ کارآمد ہوئی یا ضائع ہوئی؟ کم سے کم نماز ہی سیکھ لیتے کیونکہ سب سے پہلا سوال قبر میں نماز کا

ہوگا، اپنی نماز کی فکر چھوڑ کر ان چیزوں میں پڑا ہوں، یہ سوچ رہا ہوں۔ آپ اندازہ لگائیے ان حضرات کی پہونچ کہاں تک تھی؟ کیسے علوم ان کو دیئے گئے اور اس کے ساتھ اپنے بارے میں کیا تصور رکھتے تھے، اپنے نقائص کا اور اپنی کمیوں کا احساس کس قدر تھا، اسی کو تواضع کہا گیا ہے، اپنی کمیوں کا احساس تواضع ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تکبر کسے کہتے ہیں ارشاد فرمایا کہ: بطر الحق وغمط الناس لوگوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے کو بڑا اور اس بڑائی میں حق کا انکار کر دینا یہی تکبر ہے۔ یہ رذائل اور اس طرح کے جو عیوب قدرتی طور پر اللہ نے نفس کے ساتھ لگائے ہیں ہمارے علم کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے علم کے ذریعہ اپنے ان رذائل کو پہچان کر کوشش کریں کہ ہم ان سے اپنے کو پاک کر لیں جتنا ہو سکے اپنے قلب کو پاک صاف رکھنے کی کوشش کریں۔

ہمارے حضراتِ اکابر خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے ذکر کو کثرت سے اختیار کیا، بے شک ذکر قلب کے پاک وصاف ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، ذکر کے ذریعہ قلب کو جلا ملتی ہے، قرآن کی تلاوت اور دیگر اذکار قلب کو مجلیٰ، مصفیٰ اور مزکیٰ کرتے ہیں۔

زہد علماء کا قیمتی سرمایہ

حدیث کی کتابوں کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ علماء کے دل میں دنیا کی حقارت بھی ہونی چاہیئے، فرمایا: میں نے حدیث میں بہت تتبع اور تلاش کیا کہ صحابہؓ کو بنانے میں اور صحابہؓ کے قلوب کو مجلیٰ ومزکیٰ کرنے میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ توجہ کس چیز کی طرف فرمائی ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے غفلت یعنی زہد ہے، دنیا سے بے رغبتی جتنی پیدا ہو جائے گی رذائل نفس اتنے دور ہو جائیں گے، کیوں کہ درحقیقت مال کی محبت سے رذائل وجود میں آتے ہیں، اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ احادیث جو کتاب الزھد یعنی دنیا کی بے رغبتی اور بے ثباتی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں علماء کرام کو چاہئے کہ یہ ابواب اپنے سامنے رکھیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ کسی نے پوچھا کہ آپ نے کوئی کتاب بیع وشراء کے بارے میں تصنیف نہیں فرمائی کہ جس سے لوگوں کے معاملات میں ان کو ہدایت ملتی، ارشاد فرمایا: کتاب الزھد لکھی ہے اس کے بعد کسی کی ضرورت نہیں زہد ہی میں سب کچھ آ گیا، دنیوی معاملات کا سارا تعلق اگر دیکھا جائے تو دنیا کی بے رغبتی سے ہے۔

ہمارے حضراتِ اکابر ومشائخ اللہ اکبر! ان حضرات کی زندگی کا اگر آپ جائزہ لیں انہوں نے جو خدمات کی ہیں خواہ وہ تعلیمی لائن سے ہوں، خانقاہی لائن سے ہوں، تبلیغ کی لائن سے ہوں بے شک ہم لوگوں کے سامنے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کے گھروں کا نقشہ دیکھیں تو سب سے بڑی چیز زہد اور دنیا کی چیزوں

سے بے رغبتی نظر آئے گی، اللہ ہمارے دلوں میں اگر دنیا کی بے رغبتی پیدا کردیں تو نہ جانے کتنی دنیاوی بلاؤں سے نجات مل جائے۔ آپس کا حسد، آپس کا کینہ، آپس کی لڑائی جھگڑے یہ سب بشری تقاضے ہیں، ہم سب ان میں ملوث ہیں اس میں سب سے بڑی بنیاد اگر ملے گی تو وہ دنیا کی رغبت، دنیا کا شوق، دنیا کمانے کی فکر ہے اور اسی لئے تو فرمایا گیا حب الدنیا رأس کل خطیئة دنیا کی محبت ہر بیماری کی جڑ ہے۔

ہمارے حضراتِ اکابر کی زندگیاں دیکھیں حالات پڑھیں، میرے استاذ تھے حضرت مولانا ظہورالحق صاحب شرح تہذیب اور چند کتابیں میں نے ان سے پڑھیں، مظاہر علوم میں متوسطات کے اسباق پڑھاتے تھے مجھے خود ایک دو دفعہ فرمایا: مدرسہ کی تنخواہ بیس دن تو چلتی ہے مگر آخری عشرہ ایسے ہی گذرتا ہے یعنی فاقہ کے ساتھ، ان حضرات نے فاقے کر کر کے اس دین کی خدمت کی ہے، یہ فاقے ہی انسان کے نفس کا سب سے بڑا علاج ہیں، آج کوئی شخص فاقہ کا ترجمہ بھی شاید نہ جانے کہ فاقہ کسے کہتے ہیں، حضرت شیخ نے بہت واقعات جمع کئے ہیں، وہ دنیا کی بے رغبتی کے واقعات کثرت سے سناتے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے ساز وسامان اور اس کی چاہت میں علماء کرام اگر تھوڑا بہت احتیاط برت لیں تو اللہ ان کے قلب اور روح کو اتنا درست کرتے ہیں کہ بڑی بڑی قربانیوں سے نہیں ہو پاتے۔

احادیث تو آپ پڑھتے ہیں حضرت آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟ ایک مردار بکری کے پاس سے گذر ہوا، صحابہؓ ساتھ تھے پوچھا: تم میں سے کون ہے جو اسے خریدے گا؟ ایسی حالت میں کہ وہ مری ہوئی ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس مری ہوئی بکری کو کون لے گا؟ فرمایا: اللہ کے یہاں ساری دنیا اسی طرح حقیر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کو مثالیں دے دے کر دنیا کی حقارت سکھاتے تھے۔

یاد پڑتا ہے حضرت شیخ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ ہمارے کاندھلہ کے ایک عزیز رشتہ دار جن کے خاندان کا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلق تھا، کاندھلہ پڑھنے کے لئے آئے، حضرت نے ان کو اپنے پاس رکھا، بڑے گھرانے سے پڑھنے آئے تھے اور ارشاد فرمایا کھانا بجائے مطبخ کے ہمارے گھر سے کھالیا کرو، یہ روزانہ حضرت کے گھر سے کھانا لیا کرتے تھے، ایک دن کھانا لینے آئے اور گھر میں اطلاع کرائی، تھوڑی دیر تک تو جواب نہیں آیا، گھر میں کوئی تھا ہی نہیں، حضرت کہیں گئے ہوئے تھے سفر میں تھے، یہ واپس چلے آئے، بڑے گھرانے کے آدمی تھے کھانا ملا نہیں، دیر تک انتظار کیا نفس پر بہت شاق گذرا، بہت گرانی ہوئی، اتنی دیر کھڑا بھی رہا اگلے دن ناراضگی میں کھانا لینے کے لئے نہیں گئے کہ کون مانگتا پھرے گا؟ حضرت نے اتفاق سے گھر میں پوچھ لیا، ان کا نام عبداللطیف تھا، فرمایا: عبداللطیف کھانا لینے نہیں آیا، ساتھیوں

میں بات پہونچی، ساتھیوں نے کہا کہ بھائی تم کھانا لینے نہیں گئے، انہوں نے کہا کہ کون مانگتا پھرے گا، ناراضگی کی وجہ سے پھر بھی نہیں گئے، حضرت تک بات پہونچی کہ یہ طالب علم پرسوں کھانا لینے گئے تھے مگر گھر سے کوئی جواب نہیں ملا، اس لئے ناراض ہوکر جانا ہی چھوڑ دیا ہے، حضرت نے بُلا کر ارشاد فرمایا: بھائی ہمارے ہاں اس دن کھانا پکا نہیں تھا، اس لئے شرمندگی سے کوئی جواب نہیں ملا۔ شیخ المشائخ ہیں، نہ جانے کن کن کے استاذ تھے اور کیسی کیسی حالتوں میں رہے ہوں گے، حد یہ ہے کہ گھروں میں فاقہ تک ہوجاتا تھا۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ دو دو مہینے گذر جاتے اور گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی، دنیا کی بے رغبتی دنیا کی بے ثباتی ایسی ہمارے مذاکروں میں آئے کہ ہماری مجلس میں بیٹھنے والے بھی اس سے متاثر ہوجائیں، یہ ہے عالم، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی بے رغبتی کیسی ہوتی ہے؟ ہمارے بزرگوں کا سب سے بڑا امتیاز دنیا کی تمام چیزوں سے اپنے کو بچائے رکھنا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ہر طرح کامل ومکمل بنانے کی فکر کریں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دیں، اس کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کو نہ گذاریں، یہ ہمارا آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے، بڑے سے بڑے بزرگ بھی کسی نہ کسی سے وابستہ رہتے تھے، ایک سے بیعت ہوتے اس کے انتقال کے بعد دوسرے سے ہوتے اور اس کے بعد تیسرے سے اخیر عمر تک اپنے بزرگوں سے تعلق نہیں چھوڑتے، چاہے کتنے ہی کامل ہو جائیں، اندازہ لگایئے کہ بزرگوں سے تعلق کتنا قیمتی سرمایہ ہے کہ آخر تک بھی یہ حضرات اس سے بے نیاز نہیں ہوتے، اس لئے ہمیں اور آپ کو اللہ توفیق عطا فرمائے کہ قرآن کی ان آیات کے مطابق ہماری زندگی ہو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ، اس تزکیہ کی فکر ہوا گر یہ فکر اپنے اندر ہوگی تو یہ فیض آپ کا دوسروں تک بھی پہونچے گا، نہ جانے کتنے لوگوں کے قلوب کو آئینہ بنانے میں آپ کام آئیں گے آپ لوگ باقاعدہ لوگوں کے لئے رہنما اور نمونہ ہیں بشرطیکہ خود آپ کے اندر نمونہ بننے کی صلاحیت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ اس خانقاہی نظام کو اپنے اکابر بزرگوں کے بتلائے ہوئے طور طریقوں کے مطابق اپنائیں، خاص طور سے ہمارے لئے تصوف کے جو ابتدائی مراحل بتائے گئے ہیں کہ ان مجالس میں شرکت ہو، مجلس نہ ہو تو ان کے ملفوظات ہم اس طرح پڑھیں جیسے اپنے سبق کا مطالعہ ہوتا ہو، شروحات کا مطالعہ دوسروں کے لئے کر رہے ہیں اور ان بزرگوں کے ملفوظات اپنے لئے پڑھیں اس مطالعہ سے ہمیں کیا مل رہا ہے؟ ہمیں اس سے کیا نفع ہو رہا ہے؟ اس پر غور بھی کرتے رہیں۔

وقت کی حفاظت کیجئے

میرے دوستو بزرگو! ہمارا آپ کا وقت بہت قیمتی وقت ہے، ایک عالم کی شایانِ شان یہ ہے کہ اس کا وقت ضائع نہ ہو، جو پڑھنے پڑھانے میں ہے وہ تو کارآمد ہے لیکن پڑھنے پڑھانے کے بعد جو وقت بچ رہا ہے وہ اپنے لئے ہو، اس میں اپنے مالک سے ربط پیدا کرلو، اپنے مالک سے تعلق پیدا کرلو، یہ علماء کرام کی اہم ذمہ داری ہے کہ تضییعِ اوقات سے بچیں آج ہمارے یہاں ـــــ واقعہ یہ ہے کہ ـــــ تضییعِ اوقات پر کوئی افسوس نہیں، بیٹھ کے خالی باتیں ہورہی ہیں، ہمارے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ اس عمل سے بہت ناراض ہوتے تھے، میں نے دیکھا کسی اور عمل پر آپ کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی تھی جتنا وقت کے ضائع کرنے پر ہوتی تھی، ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دیتے، کسی بھی کام میں بلاوجہ ذرا سی دیر ہوجائے تو ناراض ہوجاتے۔

ایک لطیفہ سنا دیتا ہوں تا کہ آپ کو حضرت شیخ کا مزاج معلوم ہوجائے، مجھے اور مولانا عاقل صاحب اور مولانا یونس صاحبؒ کو بخاری کے ابواب وتراجم کے سلسلہ میں اپنے پاس بٹھا کر اپنے ہی حجرہ میں ایک کام سپرد فرمایا، جہاں حضرت کا تالیف وتصنیف کے لئے قیام ہوتا تھا، لیکن حضرت نے ہمیں فرمایا کہ مغرب کے بعد فوراً سنتیں پڑھ کر آجاؤ، نفلیں پڑھنے کی ضرورت نہیں، فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے ابا نے پڑھنے کے زمانے میں سنتوں کی نیت باندھی، ابا کو دیکھ کر کہ ابا نفلیں پڑھ رہے ہیں، میں بھی ان کے پیچھے نفلیں پڑھنے میں مشغول ہوگیا، سلام پھیر کر مجھے نفلیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اتنی زور سے مارا کہ میری نیت ٹوٹ گئی، فرمایا نفلیں پڑھنے کا وقت ہے؟ جا کتاب کا مطالعہ کر، اور میں فوراً چلا آیا، فرمایا یہ نفلوں کو بھی شیطان نے سجھایا تھا، اس لئے حضرت نے ہمیں یہ حکم دیا نفلوں کے بجائے بیٹھ کر حدیث کا کام کرو، ہم لوگ روزآنہ کام کرتے، اتفاق کی بات ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا یونس صاحب اور حضرت مولانا عاقل صاحب سے بات چیت ہونے لگی، حضرت دیر سے تشریف لائے، شاید پچیس منٹ کے بعد تشریف لائے اور حضرت کی آہٹ جو ہوئی تب ہمیں خیال آیا کہ او ہو کام میں لگنا تھا باتوں میں لگ گئے، ہمارے حضرت مولانا یونس صاحب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، لفظ بسم اللہ زور سے کہہ دیا حضرت نے دروازے کے باہر سن لیا اندر تشریف لائے بھئی کون پڑھ رہا ہے بسم اللہ؟ اب احساس ہوا ہم تو بسم اللہ پڑھ کر خود ہی بتا رہے ہیں کہ اب کام شروع ہوا، حضرت سمجھ گئے کہ ہم نے پچیس منٹ ٹائم ضائع کیا، اتنا ڈانٹا اتنا ڈانٹا کہ یقین جانئے ۴۵ سال پہلے کی بات ہوگی لیکن آج تک ہم تینوں کو حضرت کی یہ ڈانٹ یاد ہے۔ ارشاد فرماتے تھے تیس سال میں ''اوجز'' مکمل ہوئی ''اوجز المسالک'' مؤطا امام مالک کی شرح جو حضرت نے لکھی ہے۔ اللہ اکبر!

یہ ہمارے بزرگوں کی زندگی سے بہت سارے سبق ملتے ہیں ایک کمرے میں بیٹھ کر جس میں نہ پنکھا نہ بجلی، پنکھے کا تو سوال ہی نہیں تھا، پنکھے تو ہمارے سامنے لگے، یہ اوجز کی تالیف وتصنیف کا زمانہ ہمارا نہیں ہے، یہ بہت پہلے کا زمانہ ہے، حضرت نے یہ تصنیف اسی وقت فرمائی شاید ہم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، مگر حضرت جس جگہ لائبریری میں بیٹھتے تھے نہ پنکھا، نہ بجلی، لال ٹین جلایا کرتے تھے اور اسی میں تصنیف وتالیف فرماتے تھے ، ایک لنگی پاس رکھی ہوئی ہوتی تھی پسینہ جب خوب آتا تو اس سے پونچھ لیتے تھے صبح سے شام تک مشغول، صبح فجر سے لے کر کھانے کے وقت تک ظہر سے لے کر عصر تک اور مغرب سے لے کر عشاء کی نماز تک تصنیف میں مشغول رہتے تھے، گرمی کی شدت میں پسینے کی وجہ سے لنگی بھیگ جاتی تو زور سے کسی بچی کو آواز دیتے، وہ اندر سے آتی، کہتے کہ بیٹا اسے نچوڑ دو! وہ اسے نچوڑ دیا کرتی اور لا کر حضرت کو دے دیتی، سوکھ بھی جاتی اور پھر پسینہ سے گیلی بھی ہو جاتی، فرمایا تیس سال میں نے اس کی تصنیف میں لگائے ہیں، اور یہ حضرت کے الفاظ ہیں کہ اس تیس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی مجھ کو نہ حج کا خیال آیا نہ عمرہ کا، اشتغال کا یہ حال تھا کہ حضرت نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ میرے شیخ نے فرمایا یعنی مولانا خلیل احمد صاحب نے، مولوی زکریا! تصوف اور تزکیہ کے اللہ نے جیسے بہت سے اسباب بنائے ہیں غور سے سنو، یہ اکتتاب اور یہ اشتغال تمہارے لئے تصوف کے تمام وسائل کا ذریعہ ہے، اس کا بدل ہے تم کو کسی کی ضرورت نہیں تم ان کاموں میں لگے رہو، چناں چہ حضرت شیخ اپنی مجلس میں بیٹھ کے لکھواتے رہتے تھے اور اسی میں مشغول رہتے اور پورا وقت اسی میں لگتا تھا، حضرت کو وقت کا ضائع کرنا سب سے زیادہ ناپسند تھا۔

اس تضییعِ اوقات سے اگر ہم بچیں تو نہ جانے کتنا وقت ہمارا خود اپنی فکروں میں گذر جائے، لوگوں کی اس میں خدمت کا موقع ہے، تدریس کے ذریعہ، تبلیغ کے ذریعہ، قرآن کی تعلیم کے ذریعہ، جو وقت آپ کا بچ رہا ہے، اس میں اپنی اصلاح کی فکر کرلیں اپنے بزرگوں کے ملفوظات سے اپنے بزرگوں کی تعلیمات سے اور اگر اللہ توفیق دے تو کسی بزرگ کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی صحبتوں میں اپنے اوقات کو مشغول کرلیں! یہ مشغولی آپ کو سب سے زیادہ قیمتی بنانے میں کام آئے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی۔ آمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

☆حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ

ام ہذیل، فقیہہ انصاریہ ہیں، ایاس بن معاویہؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حفصہ بنت سیرینؒ سے زیادہ عالمہ فاضلہ خاتون نہیں دیکھا، انہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، اس کے بعد ستر سال حیات رہیں، ان کے تذکرے میں حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا: حفصہ سے زیادہ فضیلت والی کوئی خاتون نہیں۔

آج ہر عورت گھر سے باہر نکلتی ہے:

مہدی بن میمون کہتے ہیں: حفصہ بنت سیرینؒ تیس سال تک اپنے مصلیٰ یعنی گھر کی مسجد سے باہر نہیں نکلیں سوائے کسی (رشتہ دار) سے ملاقات اور قضاء حاجت وضرورت کے، ان کی وفات سن ١٠٠ ہجری کے بعد ہوئی۔

☆حضرت معاذہ رحمہا اللہ

بنت عبداللہ، سیدہ، عالمہ، ام الصہباء، بصریۃ، عابدہ، حضرت صلہ بن اشیم کی اہلیہ ہیں۔

مردوں اور عورتوں کو نصیحت:

یہ ساری رات عبادت گذاری شب بیداری میں گذار دیتیں، اور کہتیں کہ مجھے اس آنکھ پر تعجب ہے جو سوجاتی ہے، مجھے پتہ چلا کہ زیادہ سونا ظلمت قبر کا باعث ہوا کرتا ہے۔

شوہر اور بیٹے کی شہادت:

جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے شوہر صلہ اور ان کے بیٹے جنگ میں شہید ہوچکے ہیں تو ان کی تعزیت کے لئے ان کے یہاں عورتیں اکٹھی ہوئی، تو انہوں نے فرمایا: تمہیں مبارک بادی ہو اگر تم مجھے مبارک باد دینے کے

لئے آئی ہو اور اگر تمہارا اس کا علاوہ کوئی اور مقصد ہے تو تم یہیں سے لوٹ جاؤ۔

جنت میں اہل کے ساتھ ملاقات کی دعا:

اکثر و بیشتر کہا کرتی تھیں: بہ خدا! میری دنیا میں بقاء کی خواہش صرف اور صرف اس لئے ہے کہ میں کچھ ایسے وسائل اور ذرائع اختیار کروں جو میرے رب کی قربت کا ذریعہ بن سکیں، مجھے اللہ سے امید ہے کہ اللہ عزوجل مجھے، ابوالشعثاء اور ان کے لڑکے کو یکجا کر دے۔ ان کی وفات سن ۸۳ھ میں ہوئی۔

☆ رابعہ عدویہ رحمہا اللہ

حضرت رابعہ بصریہؒ، زاہدہ، عابدہ، خاشعہ، ام عمرو، رابعہ بنت اسماعیل ہیں

جو جس چیز کو پسند کرتا ہے اُس کا بکثرت تذکرہ کرتا ہے:

خالد بن خِداش کہتے ہیں: رابعہ بصریہؒ نے سنا کہ صالح مَری اس دنیا کا اپنے قصوں میں بکثرت ذکر کرتے ہیں، تو اُنھیں مخاطب کر کے فرمایا: صالح! جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔

میں نے اُن کو دنیا کی محبت میں گرفتار پایا ہے:

بشر بن صالح عتکی سے مروی ہے کہ: کچھ لوگوں نے حضرت رابعہؒ سے (اُن کی مجلس میں شرکت کی) اجازت چاہی، اور ان کے ساتھ حضرت سفیان ثوریؒ بھی تھے، ان لوگوں نے ان کے یہاں قیامت کا تذکرہ کیا، پھر کچھ دنیا کا بھی ذکر ہوا، جب یہ جانے لگے تو حضرت رابعہؒ نے اپنی خادمہ سے کہا: یہ بزرگ اور ان کے ساتھی (دوبارہ) آئیں تو تم انہیں میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا، کیوں کہ میں نے اُنہیں دنیا کی محبت میں گرفتار پایا ہے۔

قیام لیل کی ترغیب:

عُبیس بن میمون عطارؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے رابعہ عدویہ کی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال نے بیان کیا کہ: رابعہ رات بھر نماز پڑھتیں، طلوع فجر کے وقت تھوڑی دیر سو جاتیں پھر فجر کے لئے اٹھ جاتیں، وہ (اپنے نفس کو مخاطب کر کے) یہ کہتی تھیں: اے نفس! تو کتنا سوئے گا اور کتنا کھڑا رہے گا! تجھے بعد میں ایسی نیند سونا ہے کہ پھر روز قیامت ہی اٹھنا ہے۔

کہو: غم کتنا کم ہے:

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں: میں حضرت امام سفیان ثوریؒ کے ساتھ حضرت رابعہ عدویہؒ کے یہاں گیا،

سفیان کہنے لگے: ''واحزناہ'' ہائے غم! تو حضرت رابعہؒ نے فرمایا: جھوٹ مت کہو، یوں کہو، کتنا کم غم ہے۔

ان کی وفات سن ۱۸۰ ھجری میں ہوئی۔

☆زبیدہ

ان کا نام ست المجبۃ أمۃ العزیز ہے، ان کی کنیت ام جعفر بنت جعفر بن ابوجعفر منصور ہے، یہ امین محمد بن رشید کی ماں ہیں، خلیفہ ہارون الرشید کی اہلیہ محترمہ ہیں، کہتے ہیں کہ عباسیوں نے ان جیسا خلیفہ نہیں جنا۔ یہ نہایت جاہ وحشم والی خاتون تھیں، حج کے سلسلے میں ان کے بے شمار کارنامے ہیں، ان کے جد امجد نے ان کا لقب زُبیدہ رکھا، اُن کے شاہی محل میں تقریباً سو باندیاں تھیں اور سب کی سب قرآن پاک کی حافظہ تھیں، سن ۲۱۶ ھ میں وفات پائیں۔

نہرزبیدہ کی تاریخ:

عباسی دور کے خلیفہ ہارون رشید کی بیوی سیدہ زبیدہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کی چھاتیوں سے رعایا دودھ پی رہی ہے، اس بھیانک خواب کا تذکرہ اس نے اپنے شوہر ہارون رشید سے کیا، ہارون رشید بھی اس خواب سے متفکر ہوا، اور علماء سے اس کی تعبیر چاہی تو علماء نے بتلایا کہ یہ مبارک خواب ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ عزوجل تمہاری بیوی سے کوئی اہم خدمت لیں گے، جس سے رعایا کو فائدہ پہنچے گا، چنانچہ ان دنوں مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے لئے پانی کی تکلیف کی اطلاع ملی کہ پانی کی کمی سے حجاج فوت ہورہے ہیں تو اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے زبیدہ نے حج کا ارادہ کیا، اور وہاں جائزہ لینے کے بعد اپنے مہر اور خلیفہ کے زرکثیر سے ۳۶ کیلومیٹر طویل نہر وادی نعمان طائف روڈ سے ۷۹۱ عیسوی مطابق ۱۷۴ھ میں بنوائی، جس سے ۱۲۰۰ سال تک استفادہ کیا جاتا رہا، جب یہ نہر تیار ہوگئی تو محاسب نے حساب پیش کیا تو خلیفۂ وقت نے ان کاغذات کو یہ کہتے ہوئے دریائے دجلہ میں ڈال دیا کہ ہم اس کے حساب کو یوم الحساب پر موقوف رکھتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمہ ہمارا کچھ باقی ہو تو ہم اس کو معاف کردیتے ہیں۔

میدان عرفات میں جبلِ رحمت کے دامن میں نہر زبیدہ کے ٹوٹے پھوٹے نشانات اب بھی واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

اصلاحی مضامین

حج ایک عاشقانہ عبادت!!

از: مفتی سہیل الرحمٰن قاسمی*

عالم اسلام کے گوشہ گوشہ سے حاجیوں کا سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنا اور اپنے خون پسینے کی کمائی کو سفر حج کے لئے صرف کرنا بے مقصد نہیں ہے۔ یہ سفر صرف سیر وتفریح یا تجارت ومنفعت اور شہرت وناموری کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ سفر راہِ خدا میں چلنے والوں کے لئے روحانیت کی معراج اور عاشقان باصفا کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے؛ اور کیوں نہ ہو جب کہ اس سفر کے ساتھ ایک ایسے عبدِ مخلص اور عاشقِ صادق کی یادگاریں وابستہ ہیں جس کے آتشِ عشق کے آگے آتشِ نمرود بھی سرد ہے۔

وہ ہستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے جس کو ہر حاجی یاد کرتا ہے جب وہ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھتے ہوئے اپنے وطن اور رشتہ داروں کو الوداع کہتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ملک اور شہر کو محض شرک وبت پرستی سے بیزار ہو کر رضائے الٰہی کی خاطر الوداع کہا تھا۔ ایک حاجی بھی احرام باندھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ میں فقیر ومحتاج محض اپنے کریم رب کو راضی کرنے کے لئے اپنے ملک، شہر اور رشتہ داروں کو چھوڑ رہا ہوں اور اپنی زبان سے ''لبیک اللھم لبیک'' کی عاشقانہ صدائیں لگا کر اپنی فقیرانہ حاضری کا اور ''لا شریک لک لبیک'' سے معبودانِ باطل سے بیزاری کا اور ''ان الحمد و النعمة لک و الملک'' سے اپنے محسن رب کے تمام صفات کمالیہ سے متصف ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

جب حاجی اپنے محبوب وکریم رب کے گھر کا چکر لگا کر اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے تو محبوب رب مقامِ ابراہیم پر (اپنے خلیل حضرت ابراھیم علیہ السلام کی یادگار کے پاس) دوگانہ ادا کرنے کا حکم فرماتا ہے: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی جب حاجی یہاں دوگانہ ادا کرتا ہے تو حاجی کے سامنے ایک پورا منظر آجاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس پر ٹھہر کر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اپنے محبوب ومحسن کا گھر از سرِ نو تعمیر کیا تھا اور اس قدرداں محسن رب نے اپنے خلیل کے اعزاز میں اس پتھر کو اُن کے تابع بنا دیا تھا، دورانِ تعمیر جب ابراہیم علیہ السلام کو اوپر کام ہوتا تو وہ پتھر خود بخود لفٹ کی طرح اوپر ہو جاتا اور خود ہی نیچے ہو جاتا۔ اس پتھر پر پیارے رب نے

---

* استاذ شعبہ حفظ ادارہ ہٰذا

اپنے خلیل کے قدموں کے نشانات محفوظ فرما دیئے۔ اور قرآن عظیم الشان میں قیامت تک کے لئے محفوظ فرما دیا۔ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اللہ نے اس نشان کو محفوظ فرما کر ہر دور کے عاشقانِ الٰہی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اختیار کرنے اور ان جیسی محبت الٰہی پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس گھر کو تعمیر کر کے رب بے نیاز کے سامنے بصد عجز و نیاز قبولیت کی دعا ان الفاظ سے مانگی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔

ایک حاجی کو بھی چاہئے کہ وہ اس گھر کی زیارت کر کے کسی فخر و نمود اور تکبر میں مبتلا نہ ہو بلکہ ابراہیمی اسوہ کو اپنا کر رب سے قبولیت کی دعا مانگے اور اپنی نسلوں کے لئے حفاظتِ ایمان کی دعا مانگے اور اس سفر میں ہوئی جانی انجانی بے ادبیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرے۔

آب زمزم

جب حاجی زمزم پیتا ہے تو حاجی کے سامنے پھر ایک بار ابراہیم علیہ السلام کی قربانی سامنے آتی ہے کہ کس طرح آپ نے اپنے جذبات کو رب کی چاہت کے آگے قربان کر دیا، اپنی چہیتی بیوی اور ننھے سے معصوم بچے کو اللہ کے حکم سے ایک ایسے جنگل میں چھوڑ دیا جہاں پانی تک نہ تھا، اس طرح قیامت تک کے لئے مردوں کو یہ سبق دیا گیا کہ خدا کی محبت، بیوی، بیٹا، والد، والدہ، دوست واحباب سے زیادہ ہونی چاہئے اور پھر اس بیوی نے بھی ایمان و یقین اور توکل علی اللہ اور اپنے خاوند کی اطاعت کی وہ مثال پیش کی کہ رہتی دنیا تک اگر خواتین ان کے اسوہ کو اپنائیں گی تو یقیناً معاشرے سے بے حیائی رسم و رواج اور دھوکہ بازی کی راہیں بند ہو جائیں گی اور گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

چشم تصور سے ذرا دیکھیں کہ کیا حال ہوا ہو گا اس ماں کا جس نے اپنے معصوم جگر گوشہ کے آنکھ میں پیاس کی وجہ سے آنسو دیکھے لیکن سلام ہو مائی ھاجرہ پر، آپ نہ تو مایوس ہوئیں نہ اپنے خاوند کا شکوہ کیا نہ اسباب کو چھوڑ کر بے کار بیٹھی رہیں اور اللہ کی مدد کا انتظار کیا؛ بلکہ اپنے رب سے امید رکھتے ہوئے ظاہری اسباب کو اختیار کیا اور صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑتی رہیں تو خالق ارض و سما نے زمین کو حکم دیدیا کہ وہ ننھے اسماعیل کے

ایڑیوں کے نیچے سے پانی نکالے۔اوررب کریم نے اس پانی کوشفاء دواء اور غذا بنادیا اور امت کواسی صفاومروہ کی سعی کا حکم دے کراس بات کا درس دیا کہ ہم ہی زمین وآسمان کے خزانوں کے مالک ہیں، جو بندہ پابندی اپنی خواہش چھوڑ کررب کی خواہش کے مطابق زندگی گذارے گی ہم دنیا اس کے قدموں میں ڈال دیں گے اوراس کے نام کواس کی اداؤں کو محفوظ فرمادیں گے۔

رمیٔ جمرات

اسی طرح جب حاجی شیطان کو کنکریاں مارتا ہے اور قربانی کرتا ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اللہ سے محبت اور اپنے اس کریم ومحسن وعظیم محبوب کے دشمن سے اپنی دشمنی کا اظہار کرتا ہے۔اوراس محبوب کے حکم کو پورا کرنے سے روکنے والے کو کنکر مارتا ہے۔

وہ روکنے والا شیطان چاہے دوست کی شکل میں آئے چاہے ہمدرد کی شکل میں آئے، چاہے محلہ والوں اور افرادِ خاندان کی ملامت کا خوف بن کرآئے، اپنے محبوب رب کے حکم کے سامنے رسم ورواج کی پابندی اور خواہشات کی پیروی تو درکنار اگراس کا حکم ہواس کی راہ میں جان دے دینا یا اپنی چہیتی اولاد کو قربان کردینا ہی سچے مومن کی نشانی ہے۔

عرفہ حج کا عظیم رکن

پھر جب حاجی میدانِ عرفات میں جاتا ہے تو اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہی وہ میدان ہے جہاں آدم وحوا علیہما السلام نے دنیا میں ملاقات کی اور رب نے ان کی توبہ قبول فرمائی، آج بھی بنی آدم یہاں ندامت و شرمندگی کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے ہیں اور اپنے غرور وفخر کو خاک میں ملاتے ہیں۔

یہی وہ میدان ہے جہاں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے سامنے آخری وصیتیں فرمائی تھی جنہیں سن کر صحابہؓ رو پڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ۱) آپس میں لڑنے سے بچو۔ ۲) سود سے بچو۔ ۳) ماتحتوں اور عورتوں کے حقوق ادا کرو۔ ۴) کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ ۵) ارکان اسلام کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو۔ ۶) دین کے پیغام کو دوسروں تک پہونچاؤ۔

یہی وہ مقام ہے جہاں حشر کا میدان قائم ہوگا، یہیں پر ہمارے اعمال کا حساب ہوگا، پتہ نہیں ہمارے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں دئے جائیں گے یا بائیں ہاتھ میں۔ پرہیزگاروں، نیکوکاروں کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں لے جایا جائے گا اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف کھینچا جائے گا۔ جب حاجی چشم تصور سے اپنی آخرت کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو یکایک وہ رب کریم کی بے نیازی اور جلال کے آگے سربسجود ہوجاتا ہے اور معافی

کی درخواست کرتا ہے اور گڑ گڑا کر گذشتہ زندگی پر توبہ اور آئندہ نیکوکاری کی زندگی گذارنے کا عزم کرتا ہے تو اللہ بندے کی اس دعا کو قبول فرماتے ہیں اور رب کی رحمت اور معافی کو دیکھ کر شیطان اپنے سر پر مٹی ڈال رہا ہوتا ہے اور حجاج حج سے فارغ ہو کر رب کے اس انعام کے ساتھ واپس ہوتے ہیں۔ الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ حج مقبول کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اللہ کے دین کی خاطر جینے مرنے کی توفیق عطا فرمائے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین بے شک میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

اصلاحی مضامین

جانور کی قربانی سے نفس کی قربانی تک

مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت بی بی ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگیوں میں قدم قدم پر ہمیں قربانی کا سبق ملتا ہے، مسلمان قربانی کو سنتِ ابراہیمی سمجھ کر ادا کرتا ہے، لیکن جس مقصد اور روح کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کی بارگاہ میں اپنی قربانی پیش کی، اس کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اور ایک سچے مسلمان کی نشانی ہے کہ وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلہ پر قربانی کے سبق کو یاد کرے اور دہرائے، اس لیے کہ اسلامی تعلیمات اور شرعی احکام زندگی کے ہر شعبہ میں ہم سے قربانی کا مطالبہ اور تقاضہ کرتے ہیں، مثلاً نماز میں وقت اور مصروفیت کی قربانی ہے، روزہ میں خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے، زکوٰۃ میں مال کی قربانی ہوتی ہے، اسی طرح اور دیگر عبادات بھی ہیں۔

سب سے بڑی قربانی تو نماز کے موقع سے ہوتی ہے، اس لیے کہ نماز کوئی ایک وقت تک محدود نہیں رہتی کہ صبح میں نمازِ فجر پڑھ لینے کے بعد تو شام تک کی فرصت رہے، برخلاف روزہ، زکوٰۃ اور حج کے کہ وہ تو ایک خاص وقت پر شروع ہوتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں، آدمی صبح سحری کر لے اور شام تک اپنا اطمینان سے رہے، کام کاج میں کوئی خلل نہیں، کوئی التواء نہیں، لیکن نماز وہ عبادت ہے کہ اس میں وقفہ وقفہ سے آدمی کو اپنی مصروفیات روکنا پڑتا ہے، اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ نماز پڑھنا لوگوں پر بھاری اور مشکل ہے، سوائے ان کے کہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (سورۃ البقرہ:۴۵) مسلم معاشرہ میں ایک بڑی تعداد نماز نہ پڑھنے والوں کی ہے، جو دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی مصروفیات کا بہانہ بنا کر باجماعت نماز ادا کرنے کے بجائے تنہا نماز پڑھ لیتے ہیں یا پھر اپنے ہی مقام پر باجماعت نماز کا اہتمام کر لیتے ہیں، گویا وقت کی قربانی اور مصروفیات پر چھری چلانے کا حوصلہ وہ بھی نہیں کر پاتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ سب سے بہترین عمل نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ہے۔

پھر پانچ نمازوں میں عصر اور فجر کی نماز کا وقت بڑی ابتلاء و آزمائش کا ہوتا ہے، عصر کے وقت کاروبار

---

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ و آندھرا

بالکل عروج اور شباب پر رہتا ہے، سیٹھ صاحب کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی، گاہک قطار در قطار کھڑے سر پر سوار رہتے ہیں، ایسے میں مؤذن اذان کی آواز لگاتا ہے، اس موقع پر کتنے ہوتے ہیں جو مؤذن کی آواز پر لبیک کہتے ہیں؟؟ اور رب کے حضور اپنے وقت اور کاروبار کی قربانی پیش کرتے ہیں؟؟ قرآن مجید میں نمازوں کی پابندی کی طرف توجہ دلانے کے بعد عصر کی نماز کی پابندی بطورِ خاص الگ بیان کی گئی، ارشادِ ربانی ہے:
حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (سورۃ البقرۃ:۲۳۸) ''نمازوں کی پابندی کرو اور درمیان والی نماز کی بھی''، مفسرین نے ''صلوٰۃ وسطیٰ'' کی تعیین نمازِ عصر سے کی ہے، اللہ کی صفت ''رزاقیت'' پر جس کا سچا ایمان ہوگا وہ یقینا برضاء ورغبت اذان کی آواز پر مسجد کا رُخ کرے گا، قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی شان بیان کی گئی کہ تجارت وکاروبار اور خرید وفروخت کے ہنگامے انھیں اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے سے غافل نہیں کردیتے:
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ (سورۃ النور:۳۷) صحابہ کرامؓ اذان کی آواز کے ساتھ ہی دوکانداری اور کاروبار سے اپنا دامن ایسا جھاڑ کر اٹھتے تھے کہ گویا انھیں اس سے کچھ سروکار اور واسطہ ہی نہیں، اسی طرح نمازِ فجر کی ادائیگی کا مسئلہ ہے، بالخصوص جاڑے اور سردی کی راتوں میں نرم اور گرم بستر پر آدمی گہری اور میٹھی نیند سوتا ہے، یوں بھی رات کے آخری پہر میں ٹھنڈی اور خنک ہواؤں کے خوشگوار جھونکے آدمی کو بستر سے جلدی الگ ہونے نہیں دیتے، ایسی میٹھی اور گہری نیند میں اذان کی آواز سونے والے کے کان سے ٹکراتی ہے تو وہ نیند ہی نیند میں بڑبڑاتا ہے کہ مؤذن صاحب نے آج وقت سے پہلے اذان دے دی! عیدِ قرباں کے موقع پر جانور کے گلے پر چھری چلانے والا مسلمان اگر قربانی کی روح اور اس کے مقصد کو سمجھتا ہے تو وہ یہاں بھی اپنی نیند کو قربان کرے گا اور مسجد کے لیے نکل پڑے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت سنائی کہ قیامت کے دن وہ لوگ نور کے ممبروں پر ہوں گے جو رات کی تاریکی میں مسجد کو جایا کرتے ہیں۔

جذبات وخواہشات کو قربان کرنے اور ان پر چھری چلانے کا مرحلہ نکاح کے وقت بھی پیش آتا ہے، نکاح میں آدمی ہونے والی شریکِ حیات کے ساتھ اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کرتا ہے اور زندگی کے نئے دور میں قدم رکھتا ہے، اس موقع پر شادی کے بندھن میں بندھنے والے صرف دو افراد کی نہیں بلکہ گھر اور خاندان کے ہر فرد کی اپنی الگ خواہش ہوتی ہے، والدین کے ارمان الگ ہوتے ہیں، دوست واحباب کی آرزو ہوتی ہے کہ جتنی موج ومستی اور ناچ گانا کرنا ہو کرلو، اس لیے کہ شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے بار بار نہیں ہوتی اور رقص وسرور کی محفلیں بھی بار بار آیا نہیں کرتیں، اس لیے ڈھول باجے اور پٹاخوں کے ساتھ جتنا اودھم مچانا ہے مچاؤ، گھر کی بوڑھی خواتین پرانی رسوم وروایات کو بجالانے پر اڑی رہتی ہیں، یہاں پر بھی عاقدین اور ان کے سرپرستوں کا امتحان ہے کہ کیا وہ ان ارمانوں، آرزوؤں، امیدوں اور تمناؤں کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے یا فریضہ قربانی کے

سبق کو یاد کریں گے اور جانور کے گلے پر چھری چلانے کی طرح اہل خانہ وخاندان اور دوستوں کی ارمانوں اور اُمنگوں پر بھی چھری چلا دیں گے؟؟ ایک میں مخلوق کی رضاء وخوشنودی ہے تو دوسرے میں خالق کی، انتخاب اپنے اپنے حوصلہ اور ہمت پر ہے، بقول ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

پس ضروری ہے کہ سنت طریقہ پر نکاح کورواج دیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ سب سے بہترین نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو، اس وقت سماج میں نئے رشتوں اور جوڑوں میں بگاڑ اور دراڑ اسی وجہ سے ہے کہ نئی زندگی کا آغاز گناہ اور برائی سے ہوتا ہے، آغاز جب معصیت اور نافرمانی سے ہو تو انجام میں خیر وبھلائی کی امید وتوقع کیوں کر کی جاسکتی ہے؟؟

عیدِ قرباں کے موقع سے ذبح کے لیے جانور کو پہلو کے بل لٹاتے وقت آدمی بڑے سے بڑے سرکش اور شریر جانور پر قابو پالیتا ہے اور اس کی گردن پر چھری چلا دیتا ہے، لیکن یہاں سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ یہی شخص زندگی کے مختلف معاملات اور مسائل میں نفس کے سرکش اور شریر بھڑیئے پر کہاں تک اور کتنا قابو پاتا ہے؟ کیا اس کے اندر اتنی ہمت اور جرأت ہوتی ہے کہ خدا اور رسول کے حکموں کی تابعداری اور پیروی میں وہ نفس کے چونچلوں کو ذبح کردے؟ کاروبار اور کھانے پینے کی چیزوں میں حلال وحرام کی تمیز اور جائز وناجائز امور میں احتیاط کے وقت نفس کو کیسے کیسے بہانے اور مصلحتیں سوجھتی ہیں، حق وصداقت کی راہ واضح ہونے کے بعد لوگ حق کو قبول وتسلیم کرنے سے محض اس لیے کتراتے ہیں کہ ان کا نفس آمادہ نہیں ہوتا، قرآن مجید میں سب سے بڑا گمراہ اس شخص کو کہا گیا جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرے: وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ القصص: ۵۰) اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جو شخص اپنے رب کے حضور حاضری سے ڈرتا ہو اور اپنے نفس کو خواہشات کی تکمیل سے روکے رکھا ہو تو اس کو جنت میں ٹھکانہ کی خوش خبری ہے، وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى (سورۃ النازعات: ۴۰)، اس لیے جو قربانی کے مقصد اور اس کی روح کو سمجھے گا اور اس کے سبق کو یاد رکھے گا تو وہ بتوفیق الٰہی اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پائے گا اور ان کو قربان کرے گا، نفس کو مارنا اور اس پر غلبہ پانا یہی دراصل قربانی کا مقصد ہے، بقول ذوقؔ ؎

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

قربانی کے اسی مقصد کے تحت مسلمان کی زندگی گذرے اور اس کی روشنی میں اپنا سفر طئے کرے، قرآن کی زبان میں: اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (سورۃ الانعام: ۱۶۲) بے شک میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا ومرنا سب پروردگارِ عالم کے لیے ہے۔

فضائل وآداب

یومِ عرفہ کی فضیلت

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت محمدیہ کو بے شمار خصوصیات سے نوازا؛من جملہ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اپنے خصوصی فضل وکرم اورنوازش وعطاسے نیکی وطاعت کے لیے کچھ خاص اوقات مقرر فرمادیے؛جن میں اعمالِ صالحہ کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور باری تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ بطورِ خاص متوجہ ہوتی ہے؛تاکہ لوگ اس میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرکے اپنے رب کا قرب حاصل کرسکیں۔خوش قسمت،نیک بخت اور سعادت مند ہیں وہ لوگ جو ایسے لمحات واوقات کی قدر کرکے ان سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں اور لاپرواہی سستی اور کوتاہی کے بجائے خوب محنت کرکے اپنی آخرت کے لیئے زادراہ جمع کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اپنی مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے: کچھ مہینوں کو کچھ مہینوں پر، کچھ دنوں کو کچھ دنوں پر، کچھ راتوں کو کچھ راتوں پر اور کچھ وقتوں کو کچھ وقتوں پر شرف اور بزرگی عطا فرمائی ہے،رب العالمین کی جانب سے نیکیوں کے یہ خصوصی لمحات اس لئے عطا کیئے گئے تاکہ اس کے بندے نیکیوں کے اس موسم کو غنیمت جانیں اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرکے اجر عظیم حاصل کرلیں ان اشرف واعلیٰ اوقات میں عشرہ ذی الحجہ بھی شامل ہے قرآن اور سنت رسول میں ذی الحجہ کے پہلے دس ایام اوران میں بھی یوم عرفہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے؛لہذا ایک عقل مند انسان کو چاہیئے کہ ان دنوں کو ضائع نہ کرے اور سفرِ آخرت کے لیے زادراہ تیار کرے ایسا سفر جو انتہائی طویل ترین،سخت ترین اور مشکل ترین ہے ایسا سفر جس پر سب کو جانا ہے چاہے کوئی اس کی تیاری کرے یا نہ کرے۔

یوم عرفہ،اللہ تعالیٰ کی پہچان اور شناخت کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت اوراطاعت کی دعوت دی ہے اوراپنے بندوں کے لئے اپنے احسان وکرم اور جود وسخا کے دسترخوان بچھادیئے ہیں،یہ دن اللہ تعالیٰ کی پہچان،معرفت اور محبت کا مظہر ہے۔

9 / ذوالحجہ کا دن اس اعتبار سے بھی نہایت مبارک ہے کہ اس میں حج کا سب سے بڑا رکن "وقوف عرفہ" ادا ہوتا ہے،اوراس دن بے شمار لوگوں کی بخشش اور مغفرت کی جاتی ہے؛مگر اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برکات سے

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہذا

غیر حاجیوں کو بھی محروم نہیں فرمایا: اس دن روزے کی عظیم الشان فضیلت مقرر کر کے سب کو اس دن کی فضیلت سے اپنی شان کے مطابق مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

عرفہ کی وجہ تسمیہ:

عرفہ ایک مخصوص جگہ کا نام ہے اور یہ زمانہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، بایں طور کہ نویں ذی الحجہ کو عرفہ کا دن کہتے ہیں لیکن عرفات جمع کے لفظ کے ساتھ صرف اس مخصوص جگہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ جمع اطراف و جوانب کے اعتبار سے ہے۔ عرفات، مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل (۲۰-۲۵ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے، یہ ایک وسیع میدان ہے جو اپنی تینوں جانب سے پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے، اس کے درمیان میں شمالی جانب جبلِ رحمت ہے۔

عرفات کی وجہِ تسمیہ کے متعلق بہت سے اقوال ہیں؛ جن میں سے تین کو علماء کرام نے بہ طور خاص بیان فرمایا ہے: ۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ ذی الحجہ کی رات خواب میں نظر آیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، تو ان کو اس خواب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے یا نہ ہونے میں کچھ تردد ہوا، پھر نو ذی الحجہ کو دوبارہ یہی خواب نظر آیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے، چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معرفت اور یقین ۹/ ذی الحجہ کو حاصل ہوا تھا، اسی وجہ سے نو ذی الحجہ کو ''یومِ عرفہ'' کہتے ہیں۔

۲۔ نو ذی الحجہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام مناسکِ حج سکھلائے تھے، وہ اس دوران ان سے پوچھتے؛ عرفتَ؟ یعنی جو تعلیم میں نے دی ہے، کیا تم نے اسے جان لیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں کہتے؛ عرفتُ، ہاں میں نے جان لیا۔ آخر کار دونوں کے سوال و جواب میں اس کلمے کا استعمال اس جگہ کی وجہ تسمیہ بن گیا۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا جنت سے اتر کر اس دنیا میں آئے تو وہ دونوں سب سے پہلے اسی جگہ ملے، اس تعارف کی مناسبت سے اس کا نام عرفہ پڑ گیا اور یہ جگہ عرفات کہلائی۔

جس دن کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے:

عظیم الشان اور مرتبہ والی ذات عظیم الشان چیز ہی کی قسم اٹھاتی ہے اور یہی وہ یوم المشھود ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کہا ہے **وشاھد ومشھود** (البروج ۳) قسم ہے اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں. روایات میں آیا کہ **شاھد** جمعہ کا دن ہے اور **مشھود** عرفہ کا دن اس کے علاوہ **شاھد ومشھود** کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں۔ لیکن اوفق بالروایات یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یوم موعود قیامت کا دن اور یوم مشہود عرفہ کا دن اور شاھد جمعہ کا دن ہے۔ (رواہ الترمذی)

اسی طرح حضرت ابوزبیرؓ نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **والفجر ولیال عشر** کے متعلق فرمایا ہے: یہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے اور فرمایا کہ وتر سے مراد یوم عرفہ اور شفع سے مراد یوم نحر (یعنی دسویں ذی الحجہ) ہے۔ (شعب الایمان)

شیطان کی ذلت وخواری کا دن:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں جس میں شیطان اتنا زیادہ ذلیل وخوار، حقیر اور غیظ سے پُر دیکھا گیا ہو جتنا وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتی ہوئی رحمت اور اس کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے۔ (شعب الایمان)

دین اسلام کی تکمیل اور نعمتوں کے اتمام کا دن:

صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا، اے امیر المومنین! تم ایک آیت قرآن مجید میں پڑھتے ہو اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کہنے لگے، وہ کون سی آیت ہے؟

اس نے کہا: اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: ہمیں اس دن اور جگہ کا بھی علم ہے، جب یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ جمعہ کا دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں تھے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت (الیوم اکملت) جمعہ اور عرفہ والے دن نازل ہوئی، اور یہ دونوں ہمارے لیے عید کے دن ہیں۔

اولاد آدم سے لیے گئے عہد میثاق کا دن:

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ذریت سے عرفہ میں میثاق لیا اور آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت نکال کر ذروں کی مانند اپنے سامنے پھیلا دی اور ان سے آمنے سامنے بات کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم سب گواہ بنتے ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ تم تو اس سے محض بے خبر تھے یا یوں کہو کہ پہلے پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل

پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟ (الاعراف: ۱۷۲، ۱۷۳) (مسند احمد)

گناہوں کی بخشش اور آگ سے نجات کا دن:

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوم عرفہ سے زیادہ کسی اور دن اپنے بندوں کو آگ سے آزادی نہیں دیتا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے قریب ہوتا ہے اور پھر فرشتوں کے سامنے ان سے فخر کر کے فرماتا ہے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (مسلم)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی یوم عرفہ کی شام فرشتوں سے میدان عرفات میں وقوف کرنے والوں کے ساتھ فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں میرے ان بندوں کو دیکھو میرے پاس گرد وغبار سے اٹے ہوئے آئے ہیں۔ (رواہ الطبرانی)

اجابت دعا کا بہترین دن:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی ہے (خواہ وہ میدان عرفات میں مانگی جائے یا کسی بھی جگہ) اور ان کلمات میں جو میں نے یا مجھ سے پہلے انبیاء نے بطور دعا پڑھے ہیں سب سے بہتر یہ کلمات ہیں لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شئ قدیر۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دن دعا کے لیے سب سے بہتر ہے؛ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس دن دعا کو رد نہیں فرماتا۔

عرفے کے روزے کی فضیلت:

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سال بھر میں مجھے کوئی روزہ عرفہ کے دن سے زیادہ محبوب نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس حدیث میں نو ذوالحجہ کے دن کے روزے کی بیش بہا فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرفہ (یعنی 9 ذلحجہ) کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (۹ ذوالحجہ کا روزہ رکھنا) ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (مسلم، مسند احمد)

فضائل وآداب

قربانی: فضائل ومسائل

مولانا نجیب قاسمی سنبھلی

تمام فقہاء وعلماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت مؤکدہ کا Title دینے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے وجوب کا فیصلہ فرمایا ہے۔حضرت امام مالکؒ بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت مؤکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی Title دیا جائے۔" جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل" میں امام احمد بن حنبلؒ کا موقف تحریر ہے کہ اگر کسی شہر کے سارے لوگ قربانی ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ قربانی اسلامی شعار ہے۔۔۔۔ صحابہ وتابعین عظام سے استفادہ کرنے والے حضرت امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی قربانی کے وجوب کی رائے احتیاط پر مبنی ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل:

قرآن وسنت میں قربانی کے واجب ہونے کے متعدد دلائل ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کا حکم (امر) دیا ہے، عربی زبان میں امر کا صیغہ عموماً وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے۔ وَانْحَرْ کے متعدد مفہوم مراد لئے گئے ہیں مگر سب سے زیادہ راجح قول قربانی کرنے کا ہی ہے۔اردو زبان میں تحریر کردہ تراجم وتفاسیر میں قربانی کی ہی معنی تحریر کئے گئے ہیں۔جس

طرح فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے نمازِ عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَرْ سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔(اعلاء السنن)

۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَه سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عید گاہ میں حاضر نہ ہو۔(مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت وعید کا اعلان کیا ہے اور اس طرح کی وعید عموماً ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اِسْمِ اللهِ۔ جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی تو اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی ہوگی۔قربانی نماز عید الاضحیٰ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کرنی چاہیئے۔(بخاری۔کتاب الاضاحی۔باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد، مسلم۔کتاب الاضاحی۔باب وقتہا) اگر قربانی واجب نہیں ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کرنے کی صورت میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہیں دیتے، باوجودیکہ اُس زمانہ میں عام حضرات کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی۔

۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات کے میدان میں کھڑے ہو کر فرمایا: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَلٰى اَهْلِ كُلِّ بَيْتٍ اُضْحِيَةٌ فِيْ كُلِّ عَامٍ۔اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر قربانی کرنا ضروری ہے۔
(مسند احمد ۴/۲۱۵، ابوداؤد۔باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، ترمذی۔باب الاضاحی واجبۃ ہی ام لا)

۵) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔(ترمذی ۱/۱۸۲) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک سال بھی قربانی نہ کرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سال قربانی کی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔

۶) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔(محلی بالآثار ج ۶ ص ۳۷، کتاب الاضاحی) معلوم ہوا کہ مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قربانی کرنے کی فضیلت:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک

عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔(اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔(ترمذی ۱/ ۱۸۰، ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے لئے اس میں کیا اجروثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔(ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد۔۔۔۔۔الترغیب والترھیب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔
(مسند احمد ۲/ ۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/ ۳۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس عرصہ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔(ترمذی ۱/ ۱۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ۔ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا۔ اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کرکے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ (فضیلت) آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ فضیلت آل محمد کے لئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی عام ہے۔(یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی)(الترغیب والترھیب)

وضاحت: قربانی کے فضائل میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں، بعض احادیث کی سند میں ضعف بھی ہے مگر قربانی کا حکم قرآن کریم واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، لہٰذا اصول حدیث کے مطابق فضائل قربانی میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوں گی۔

ان مبارک ایام میں خون بہانے کی فضیلت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود نماز عیدالاضحیٰ سے فراغت کے بعد قربانی فرماتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

قربانی کرنے کا ذکر حدیث کی ہر مشہور و معروف کتاب میں ہے۔ آپ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے گھر والوں اور امت مسلمہ کے ان احباب کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے جو قربانی نہیں کرسکتے تھے۔ (بخاری ومسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہیں قربانی کے ایام میں ۱۰۰ اونٹوں کی قربانی دی، ان میں سے ۶۳ اونٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود نحر (ذبح) کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے نحر (ذبح) کئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن سینگوں والے سیاہ وسفید رنگ والے خصی دو مینڈھے ذبح کئے۔ (ابوداؤد۔ باب مایستحب من الضحایا) غرضیکہ ان ایام میں خون بہانا ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ کَانَ لَہ سَعَۃٌ وَلم یُضَحّ فَلا یقْرَبَنّ مُصلانَا۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت نماز عیدالاضحیٰ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں گزرا، اس سے قربانی کا ابتدائی وقت معلوم ہوا۔ قربانی کے آخری وقت کی تحدید میں فقہاء وعلماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ (ایک روایت) نے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک تحریر کیا ہے جبکہ بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت تحریر کیا ہے۔ پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ دلائل کے اعتبار سے بھی قوی ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی صحابی نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی ہو، البتہ بعض احادیث وآثار کے مفہوم سے دوسرے قول کی تائید ضرور ہوتی ہے مگر اُن احادیث وآثار کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: کل فجاج مکہ منحر و کل ایام التشریق ذبح (طبرانی وبیہقی)۔ اولاً اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، احادیث ضعیفہ فضائل کے حق میں تو معتبر ہیں، لیکن ان سے حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً بعض کتب حدیث میں یہ حدیث " و کل ایام

التشریق ذبح" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔

قربانی کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس کے چند دلائل پیش ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائی سالوں میں صحابۂ کرام ؓ کے اقتصادی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی۔ اگر چوتھے دن قربانی کی جاسکتی ہے تو پھر تین دن سے زیادہ قربانی کا ذخیرہ کرنے سے منع کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتب حدیث میں یہ حدیثیں موجود ہیں)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایام معلومات' یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور اسکے بعد دو دن (۱۱/ و ۱۲/ ذی الحجہ) ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص۔ باب الایام المعلومات/ تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج ۶ ص ۲۶۱)

مشہور ومعروف تابعی حضرت قتادہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الذِّبحُ بَعْدَ النَّحرِ یَوْمَان۔ قربانی دسویں ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن ہے۔ (سنن کبری للبیہقی۔ باب من قال الاضحیٰ یوم النحر)
حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت انس ؓ کے علاوہ حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت سعید بن الجبیر ؒ اور سعید بن المسیب ؒ کے اقوال بھی کتب حدیث میں مذکور ہیں جسمیں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

وضاحت: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز عیدالاضحیٰ سے فراغت کے بعد فوری طور پر قربانی کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ کچھ کھائے بغیر نماز عیدالاضحیٰ کے لئے جانا اور سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا عیدالاضحیٰ کی سنن میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کا یہی معمول تھا۔ اس وجہ سے ہمیں پہلے ہی دن قربانی کرنی چاہیے، اگر کسی وجہ سے پہلے دن قربانی نہ کر سکے یا چند قربانیاں کرنی ہیں تو ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ضرور فارغ ہو جانا چاہئے کیونکہ جن بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ۱۲ ذی الحجہ سے قبل ہی بلکہ ۱۰ ذی الحجہ کو ہی قربانی کر لینی چاہئے۔

قربانی کے جانور کی عمر:

بکرا، بکری، بھیڑ ایک سال کی ہو، بھیڑ اور دنبہ جو ہو تو چھ ماہ کا لیکن دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو اور گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہو ان سب جانوروں کی قربانی کرنا جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا کہ قربانی میں بکرا (بکری، مینڈھا، دنبہ) ایک شخص کی طرف سے ہے۔
(اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعۃ)

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھکر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہوجائیں۔(مسلم۔باب جواز الاشتراک)

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔(مسلم۔باب جواز الاشتراک فی الھدی)

قربانی کے جانور کا عیوب سے پاک ہونا:

عیب دار جانور (جس کے ایک یا دو سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، اندھا جانور، ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، اس قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، وغیرہ وغیرہ) کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

بھینس کی قربانی کا حکم:

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ گائے واونٹ کی طرح بھینس پر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔گائے واونٹ کی طرح بھینس کی قربانی میں بھی سات حضرات شریک ہوسکتے ہیں۔

خود قربانی کرنا افضل ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قربانی خود کیا کرتے تھے، اس وجہ سے قربانی کرنے والے کا خود ذبح کرنا یا کم از کم قربانی کی جگہ موجود رہنا بہتر ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو قربانی پر حاضر رہنے کو فرمایا۔

قربانی کا گوشت:

قربانی کے گوشت کو آپ خود بھی کھا سکتے ہیں، رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں اور غرباء ومساکین کو بھی دے سکتے ہیں۔علماء کرام نے بعض آثار کی وجہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر گوشت کے تین حصے کرلئے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غرباء ومساکین کے لئے، لیکن اس طرح تین حصے کرنے ضروری نہیں ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی:

جمہور علماء امت نے تحریر کیا ہے کہ میت کی جانب سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کرنے کے علاوہ امت کے افراد کی طرف سے بھی قربانی کیا کرتے تھے، اس قربانی کو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ افراد کے لئے خاص نہیں کیا کرتے تھے۔اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے دو قربانیاں کیں اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور اسی لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔(ابوداؤد، ترمذی)

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب عمل:

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔(مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر بعض حضرات نے ایک نیا فتنہ شروع کردیا ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کے بجائے صدقہ وخیرات کرکے لوگوں کی مدد کی جائے۔اسمیں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام نے زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی بہت ترغیب دی ہے مگر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹادیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلاچوں وچرا حکم الہٰی کے سامنے سر تسلیم خم کرکے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کردی تھی۔مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرما کر جنت سے دنبہ بھیج دیا، اِس عظیم الشان کارنامہ پر عمل قربانی کرکے ہی ہوسکتا ہے محض صدقہ و خیرات سے اِس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔نیز ۱۴۰۰ سال قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کو واضح کردیا: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عید کے دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لئے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔(طبرانی، دار قطنی)

قربانی کا مقصد محض غریبوں کی مدد کرنا نہیں ہے جو صدقہ وخیرات سے پورا ہوجائے بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں غربت دور حاضر کی نسبت بہت زیادہ تھی، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جانور ذبح کرنے کے بجائے غریبوں کی مدد کرتے مگر تاریخ میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

گوشۂ آزادی

آزادیٔ ہند کی تاریخ اور مسلمانوں کی قربانیاں

مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری*

15 اگست کی تاریخ ہندوستان کی ایک یادگار اور اہم ترین تاریخ ہے، اسی تاریخ کو ہمارا یہ پیارا وطن ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا، اور طوقِ سلاسل کا سلسلہ ختم ہوا۔ تقریبا دوسو سال تک مسلسل قربانیوں اور جانفشانیوں کے بعد آزادی کا یہ دن دیکھنے کو نصیب ہوا، جانوں کا نذرانہ پیش کرنے اور سب کچھ لٹانے کے بعد ہمارا ہندوستان آزاد ہوا۔ آج ہم جو اطمینان اور سکون کی زندگی گزار رہے ہیں، اور آزادی کے ساتھ جی رہے ہیں یہ سب ہمارے مسلم عوام اور علماء کی دَین ہے۔ اگر مسلمان میدانِ جنگ میں نہ کودتے اور علماء مسلمانوں کے اندر جذبہ آزادی کو پروان نہ چڑھاتے تو پھر شاید کبھی یہ ہندوستان غلامی سے نجات نہیں پاسکتا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت اور نا قابلِ فراموش سچائی ہے کہ مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی، اور اپنی آنکھوں میں اپنے پیارے وطن کی آزادی کے خواب لئے جان وتن نچھاور کیا۔ سخت ترین اذیتوں کو جھیلا، خطرناک سزاؤں کو برداشت کیا، طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے، حالات وآزمائشوں میں گرفتار ہوئے، لیکن برابر آزادی کا نعرہ لگاتے رہے اور ہر ہندوستانی کو بیدار کرتے رہے، کبھی میدان سے راہِ فرار اختیار نہیں کی اور نہ ہی کسی موقع پر ملک ووطن کی محبت میں کمی آنے دی۔ ایک عظیم مؤرخ رقم طراز ہیں کہ: ہمارے آباء واجداد نے ہندوستان کی عظمت اور آزادی کو پامال کرنے والی اس سفید فام قوم کو اپنے رگوں کے خون کے آخری قطرے تک برداشت نہیں کیا۔ ہندوستان میں بسنے والی ہندوستانی قوم جو مختلف مذاہب اور مکتبہ فکر کی تہذیب اور تمدن کے مختلف ومتضاد عناصر کو لے کر وجود میں آئی تھی، اس کی عزت وحرمت بچانے کے لئے پہلے پہل ہم نے خود اپنی ذات کو قربانی کے لئے پیش کیا۔ 1857ء کے بعد نصف صدی تک انگریزی سامراج کو شکست دینے کے لئے ہم تنِ تنہا جنگِ آزادی میں زور آزمائی کرتے رہے اور ہم نے اس راہ میں اپنا خون اتنا بہایا کہ پوری جنگِ آزادی کے میدان میں دوسروں نے اتنا پسینہ بھی نہیں بہایا ہوگا۔

(تحریکِ آزادی اور مسلمان: 23)

* مدیر ماہ نامہ الاصلاح، کریم نگر

ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی لکھتے ہیں کہ: 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے بہ حیثیت مجموعی جس شدت سے انگریز مخالفت کا ثبوت دیا تھا اس سے انگریزوں کی آنکھیں کھل گئیں، انگریز اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان سب سے بہتر قوم ہیں۔ چناں چہ ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں: ’’حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضے میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی۔ وہ صرف دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی میں برتر نہ تھے بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے۔ (ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا حصہ:123)

غرض یہ کہ مسلمانوں نے آزادی کی جنگ میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا اور جان ہتھیلیوں میں رکھ انگریزوں کا مقابلہ کیا اور صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام برادرانِ وطن کی آزادی، ان کے تحفظ، ملک کی سلامتی، تہذیب وتمدن کی حفاظت، اور انسانی حقوق کی بحالی کے لئے جنگِ آزادی میں بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ آزادی کی یہ تاریخ بڑی طویل بھی ہے اور دردناک اور کرب انگیز بھی، خاک وخون میں تڑپتی لاشوں کے نظارے بھی ہیں اور اولوالعزم مجاہدوں اور جانبازوں کے ولولے بھی، وطن سے بے لوث محبت اور الفت کے نقوش بھی ہیں اور پیارے وطن کے لئے قربانیوں کا طویل سلسلہ بھی۔ آیئے ایک مختصر نظر اس کی تاریخ پر ڈالتے ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی:

24 ستمبر 1599ء میں لندن کے تاجروں نے آپس میں مل کر تہیہ کیا کہ مشرقی ممالک سے تجارت شروع کرنی چاہیے، چناں چہ اس غرض سے باقاعدہ ایک کمپنی (ایسٹ انڈیا کمپنی) قائم ہوئی، جس میں لندن کے دوسو سے زیادہ تاجر اور امراء شریک تھے۔ 21 دسمبر 1600ء کو ملکہ الزبتھ نے اس کمپنی کو شاہی منشور کے ذریعہ سے بلاشرکت غیرے ممالک مشرق سے تجارت کرنے کے پورے حقوق عطا فرمائے گویا کمپنی کو مشرقی تجارت کا باضابطہ اجارہ مل گیا۔ سترہویں صدی کے شروع میں کمپنی کی طرف سے انگریز تاجر ہندوستان پہنچے۔ چناں چہ 1612ء میں اول مغربی ساحل پر بمقام سورت انہوں نے کاروبار شروع کیا۔۔۔ نو وارد تاجروں پر ہندوستان کے فرمانرواؤں نے اپنی بے تعصبی اور دریادلی سے کیا کیا احسان کئے اور کیسی کیسی رعایات ومراعات روا رکھیں جو بعد میں ان کی چالاکی اور احسان فراموشی سے خود ان کے حق میں وبالِ جان بن گئے اور دوسروں کے واسطے خیر اندیشی اپنے حق میں سخت ناعاقبت اندیشی ثابت ہوئی۔ گذشتہ تین صدی کی تاریخ ہند کا یہ سب سے بڑا سبق ہے کہ ہندوستانی فرمانرواؤں کے بے جا رعایات اور بے محل اعتماد نے ہندوستان کو آنکھوں دیکھتے ہاتھوں سے نکال دیا۔ (نقش حیات:1/199) ایسٹ انڈیا کمپنی کے بہانے انگریز ہندوستان آئے اور یہیں پر قابض ہو گئے بلکہ یہاں کے باشندوں کو اپنا غلام بنالیا۔

پلاسی کی جنگ:

انگریزوں نے رفتہ رفتہ اپنے پاؤں پھیلانے شروع کئے لیکن اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات یعنی 1707ء تک مغلیہ حکومت مضبوط ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو باقاعدہ کامیابی نہیں مل سکی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب دہلی کا مرکز کمزور پڑ گیا اور صوبہ جات میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا تو اب ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' اپنے بال و پر نکالنے لگی۔ جس کا پہلا افسوس ناک سانحہ 1757ء میں پلاسی کے میدان میں رونما ہوا جب بنگال کے نواب ''سراج الدولہ'' کی فوجیں اپنوں کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے مٹھی بھر منظم فوج کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہوئی۔ (تحریکِ آزادی میں مسلم عوام اور علماء کا کردار: 17) نواب سراج الدولہ کے ساتھ غداری کرنے والا ''میر جعفر'' تھا جس نے انگریزوں کی چاپلوسی کر کے نواب کو شکست سے دوچار کیا۔ نواب سراج الدولہ گویا آزادئ ہند کے سب سے پہلے مجاہد تھے جن کی دوررس نگاہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ انگریز اس ملک پر مکمل قبضہ کرنا چاہتے ہیں اسی لئے ان کے خلاف اٹھنے والے اور علمِ بغاوت بلند کرنے والے سب سے پہلے محبِ وطن سراج الدولہ تھے۔

سری رنگا پٹنم کا معرکہ:

بنگال پر جب کمپنی نے قبضہ کر لیا تو وہاں پر ظلم وستم کی سیاہ تاریخ رقم کی اور عوام کے ساتھ نہایت سفاکانہ برتاؤ کیا۔ انگریزوں کے خلاف دوسرے نمبر پر صدائے حریت لگانے والے اور ملک وملت کے لئے جان وتن لٹانے والے مردِ مجاہد شیرِ میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ ہیں۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب لکھتے ہیں: یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے لئے سب سے زیادہ خطرہ سلطنت خداداد کے استحکام کو سمجھتی تھی، اور سلطان ٹیپو شہیدؒ کو راستہ کا ایک بڑا پتھر خیال کرتی تھی، جو اس کے مقاصد اور منافع تک رسائی میں پوری طرح حائل اور ان کے غلبہ کے نقصانات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ انگریزوں کے سلسلہ میں ذرا بھی لچک اور نرمی روا نہ رکھتے تھے، اس لئے انگریز کسی بھی صورت میں سلطنت خداداد کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کر چکے تھے، اس کے لئے انہوں نے تمام تر ترکیبیں اور صورتیں اختیار کیں۔ (سلطان ٹیپو شہید ایک تاریخ ساز قائد شخصیت: 37) الغرض ایک معرکہ اور جنگ کے بعد انگریز غداروں اور ملت فروشوں کی وجہ سے اس عظیم سلطنت کو ختم کرنے اور راستہ کی بڑی روکاٹ کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے، سری رنگا پٹنم میں 28 ذی قعدہ 1213ھ مطابق 3 مئی 1799ء کو سلطان ٹیپو شہیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ جنرل ہارس سلطان کی لاش کے قریب پہنچ کر فرطِ مسرت سے چیخ اٹھا کہ: ''آج

سے ہندوستان ہمارا ہے‘‘۔(سیرت ٹیپو سلطان شہید:344از:محمد الیاس ندوی) ٹیپو سلطانؒ کے ساتھ غداری کرنے والا ’’میر صادق‘‘ تھا۔

کمپنی کا رخ دہلی کی طرف:

سارے ہندوستان کو بالواسطہ یا بلا واسطہ زیر نگیں کرنے کے بعد اب انگریز کا نشانہ دہلی کا پایہ تخت تھا، جہاں مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ 1803ء میں دہلی پر قبضہ کیا، اور یہاں بھی سوچی سمجھی اور طے شدہ پالیسی سے کام لیا گیا، یعنی بادشاہ (شاہ عالم) کو تاج وتخت کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے صرف اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلیم کرالئے گئے اور اس کی تعبیر یہ کی گئی کہ ’’خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا‘‘۔(علمائے ہند کا شاندار ماضی:435/2)

شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ:

جب ہر طرح کا اختیار انگریزوں کا شروع ہو چکا اور اسلامی تشخص کو مٹانے کی کوشش زوروں پر آ گئی۔ ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزند وجانشین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک فتویٰ صادر کر کے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اعلان کیا۔یہی فتویٰ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا نقطہ آغاز ہے۔

تحریک احمد شہیدؒ:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے علماء اور عوام میں انگریزوں کے خلاف غم وغصہ پروان چڑھنے لگا، اس کے خلاف کوششوں کا باضابطہ آغاز ہو گیا ان ہی میں سے ایک حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک بھی ہے۔آپ نے ہر علاقے کا دورہ کیا اور جہاں لوگوں میں دینی شعور بیدار کیا، وہیں عملی طور پر مقابلہ کے لئے بھی آمادہ کیا، چناں چہ مؤرخ مولانا محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں: آزادی کے پروانوں اور خلقِ خدا کے خادموں کا یہ چھوٹا سا قافلہ جس کی تعداد پچاس تھی 1818ء میں دہلی سے روانہ ہو گیا۔ ہمہ گیر سماجی اور معاشی انقلاب اس کا نصب العین تھا۔(علماء ہند کا شاندار ماضی:444/2) آپ کا قافلہ جہاں پہنچتا وہاں ایمانی بہاریں تازہ ہو جاتیں، ایمان واخلاق، اور اصلاح وتربیت کا پیغام عام ہوتا۔ بہر حال عظیم ترین قربانیاں دیتے دیتے اور شہر شہر، قریہ قریہ صدائے حق لگاتے ہوئے یہ قافلہ رواں دواں رہا، اور آزادی کے ولولوں کو زندہ کرتا رہا یہاں تک کہ 13 مئی 1813ء میں جمعہ کے دن اس قافلہ کے تین سو جیالوں نے اپنے قائد سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی قیادت میں بالاکوٹ کے میدان میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔(تحریکِ آزادی میں مسلم عوام اور علماء کا کردار:32) تاریخ میں یہ پورا معرکہ ’’تحریکِ بالاکوٹ‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

1857ءتا1947ءکادور:

آیئے اب اختصار کے ساتھ آگے کی تاریخ کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ 19 ستمبر 1857ء میں جب دہلی میں بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کرلیا گیا، اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ مکمل ہوگیا اور ہرطرف ظلم وستم، قتل وغارت گری عام ہوگئی تو اس وقت امت کے جن جیالوں نے آزادی کی تحریک کو اپنے کاندھوں پر لیا ان میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور اور آپ کے مریدانِ باوفا حضرت قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہیدؒ وغیرہ ہیں۔ان کے بعد ان کے شاگردانِ باصفا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ ہیں، ان کے علاوہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا محمد علی جوہرؒ، اور بھی بے شمار علماء اور مسلم عوام نے اپنے خونِ جگر سے اس گلشن کی آبیاری کیا اور جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اس کی آزادی کو یقینی بنایا۔شیخ الہند نے ''تحریک ریشمی رومال'' شروع کی، آزادی کے لئے ''مالٹا'' کی قیدو بند کو 3 سال 2 مہینے 23 دن تک برداشت کیا۔اس اسارت کے دور میں طرح طرح کی صعوبتوں سے گزرے، آپ ہی کے شاگردوں نے آزادیٔ وطن کے لئے نومبر 1919ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں لایا۔

غرض کہ ہرطرح کی قربانیاں دیتے ہوئے اوراس مشن اور تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہرطرح کی تدبیریں اختیار کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ساتھ برادرانِ وطن کو بھی شریک کیا، مہاتما گاندھی کو ساتھ لیا اور دیگر ذمہ داروں کو شریک قافلہ کر کے جدوجہد کی، ہمارے ان ہی بزرگوں اور بے لوث مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں کے نتیجہ میں 15-14 اگست 1947ء کی درمیانی شب ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔

التجاوگزارش:

آزادیٔ ہند کی تاریخ طویل ہے، بہت سے چھوٹے بڑے معرکے اس میں پیش آئے، اوران گنت علماء اور مسلمانوں نے اس کے لئے قربانیاں دیں، ان تمام کا ذکر اس مختصر تحریر میں نہیں کیا گیا بلکہ ایک ہلکا خاکہ آزادی کا پیش کیا گیا۔ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم مسلمان خود اپنی تاریخ کو پڑھیں، اپنے بزرگوں کے کارناموں سے اپنی نسلوں کو روشناس کروائیں، ملک وملت کے لئے ان کی وفاؤں کا ذکرِ خیر کریں اور ہندوستان سے ان کا جو غیر معمولی لگاؤ اور محبت تھی اس کا اجاگر کریں تاکہ ہمارے دشمن جو آئے دن ہمیں غدار بتانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی سازش میں ناکام رہیں۔غیروں سے گلے شکوے کے بجائے خود اپنی تاریخ کو زندہ رکھنے والے بنیں، سکولوں میں اس تاریخ کو پڑھوائیں اور بطور خاص 15 اگست کے پروگرام میں مسلمان

جیالوں اور مسلم قائدین اور مجاہدین اور بے لوث جان بازوں کو بھرپور خراج عقیدت پیش کریں تاکہ ذہن میں جو چند نام موجود ہیں ان کے علاوہ کا بھی ہماری موجودہ نسل کو علم ہو اور یہی سلسلہ چلے گا تو آنے والی نسلیں احساسِ کمتری کے ساتھ نہیں بلکہ برتری کے جذبات کے ساتھ اس ملک میں رہ پائیں گی، اور منفی پروپیگنڈوں کا شکار نہیں ہوگی۔

سارے جہاں سے اچھا

دعائیہ ترانۂ ہند

کاوش: مفتی اکرام الحسن مبشرؔ *

میرے وطن کو مولیٰ! تو آشیاں بنا دے
مہکے جو خوشبوؤں سے وہ گلسِتاں بنا دے

مل جل کے ہم رہیں سب، دل میں محبتیں ہوں
ہندوستاں کو سب کی جائے اماں بنا دے

قربانیاں جنہوں نے دی ہیں وطن کی خاطر
دنیا کو اُن سبھی کا کچھ قدرداں بنا دے

جو آگ نفرتوں کی اِس ملک میں جلائیں
اُن سب کی سازشوں کو اب رائیگاں بنا دے

کہتے تھے لوگ جس کو سونے کی ہے یہ چڑیا
اُس ملک کو دوبارہ رشکِ جِناں بنا دے

ہو ملک کا محافظ، انصاف کرنے والا
ہر حکمراں کو ایسا اک پاسباں بنا دے

گنگا کی ہو ندی یا، مسجد کے ہوں منارے
ہر ذرۂ وطن کو تو جاوداں بنا دے

جس ہند کے ترانے اقبالؔ نے بھی گائے
اُس کو سنوار کر پھر جانِ جہاں بنا دے

اکرامؔ کے لبوں پر ہے یہ دعا کہ پھر سے
سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں بنا دے

---

*استاذ شعبہ معہد الاشرف اکبر باغ ادارہ ہذا

فقہ اسلامی آخری قسط (۴)

اسلامی انشورنس دورِ حاضر کی شدید ترین ضرورت

از: مفتی احسان احمد قاسمی*

گذشتہ قسط میں تکافل ماڈل کی خصوصیات بالتفصیل گذر چکی ہے، اب یہاں چند ماڈلس کا خلاصہ پیش کیا جارہاہے۔

وقت کی بنیاد پر تکافل کا ماڈل اس طرح بنے گا،

(۱) کمپنی کے شیئر ہولڈرز کچھ رقم باضابطہ وقف کریں گے اس رقم سے ایک وقف پول قائم کیا جائے گا، یہ رقم وقف ہوگی، ان شیئر ہولڈرز کی حیثیت واقف کی ہوگی اور یہ رقم ہمیشہ فنڈ یا پول میں باقی رہے گی کیوں کہ یہ اصلاً وقف ہے۔

(۲) یہ وقف پول اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہوگا، کوئی اور مالک نہیں ہوگا یعنی نہ کمپنی مالک ہوگی نہ کوئی اور اس کا ایک مستقل معنوی وجود ہوگا جو کہ شخص حقیقی کی طرح مالک اور مملّک (مالک بنانے والا) بنے گا۔

(۳) جو لوگ تکافل کی سہولت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ایک خاص مقدار میں حسبِ شرائط وقف نامہ فنڈ کو چندہ دیں گے اس فنڈ کو PTF کہتے ہیں۔

(۴) شرکاء جو چندہ دیں گے وہ وقف نہیں ہوگا، بلکہ مملوک وقف ہوگا لہذا اس کو اغراض وقف کے لئے خرچ کرنا جائز ہوگا۔

(۵) مذکورہ فنڈ کو شرعی طریقہ کے مطابق کاروبار ہی میں لگایا جائے گا اور حاصل شدہ منافع کا مالک وقف فنڈ ہی ہوگا۔

(۶) فند سے استفادہ Utilized کرنے کے لئے شرائط طئے کئے جائیں گے۔

(۷) نیز ہر قسم کے تکافل میں چندہ کی تعیین ہوگی اور فوائد Benefits کے استحقاق کے قواعد وضع کئے جائیں گے۔

(۸) فنڈ سے شرکاء کو جو فوائد ملیں گے وہ ان کے تبرعات کی بنیاد پر نہیں بلکہ وہ ''عطاءِ مستقل'' ہوں گے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

یعنی اس لحاظ سے وہ مستقل ہوگا کہ گویا شرکاء بھی موقوف علیہم میں داخل ہیں۔(اس صورت میں شرکاء یا ارکان فنڈ خود واقف نہیں، بلکہ اصل واقف شیئر ہولڈرز ہیں جنہوں نے شروع میں ایک مخصوص رقم وقف کرکے وقف فنڈ قائم کیا تھا)

(۹) وقف فنڈ چوں کہ تمام رقوم خواہ اصل ہوں یا منافع سب کا مالک ہے اس لئے فنڈ کو اختیار ہے کہ وہ اس کو جس طرح خرچ کرے، سرپلس میں اس کو کئی طرح کے اختیارات حاصل ہوں گے جو کہ وقف نامہ میں مذکور ہوتے ہیں

(۱۰) تحلیل (Bindingup) کی صورت میں تمام اخراجات ادا کرکے باقی ماندہ رقم کو کسی کارِ خیر میں لگا یا جائے گا البتہ جو اصل وقف رقم تھی وہ اسی طرح کے کسی اور وقف فنڈ میں دیدی جائے گی۔

(۱۱) کمپنی چوں کہ فنڈ کو منظم کرے گی، شرکاء کے نقصانات کی تلافی کرے گی، اور بھی بہت ساری خدمات انجام دے گی اس لئے وہ ان خدمات کے صلہ میں حق الخدمت بھی لے سکتی ہے جسے وکالہ فیس کہیں گے نیز کمپنی چوں کہ مضارب بھی ہے اس لئے وہ مضاربہ کی بنیاد پر نفع میں سے اپنا مقررہ حصہ بھی لے سکتی ہے جسے مضاربہ شیئر کہتے ہیں۔

مضاربہ ماڈل

اس ماڈل میں سرپلس شرکاء اور کمپنی کے درمیان طئے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے اس میں آپریٹر وکالہ فیس نہیں لیتا، صرف مضاربہ شیئر لیتا ہے، جس میں عموماً وکالہ ماڈل کے مقابلہ میں مضارب کا حصۂ نفع زیادہ ہوتا ہے، اس ماڈل میں کمپنی یا آپریٹر کی حیثیت رب المال (Investor) کی ہوتی ہے لہذا نفع دونوں میں حسب شرائط تقسیم ہوگا اس ماڈل میں سرپلس میں سے کمپنی کو بھی حصہ ملے گا، جب کہ وقف ماڈل میں نہیں ملتا، باقی کلیمز اور کوریجز تکافل فنڈ سے اسی طرح ادا کئے جائیں گے جس کی تفصیل اوپر ذکر کی گئی۔

وکالہ ماڈل

اس میں آپریٹر شرکاء کا صرف وکیل ہوتا ہے، اور صرف وکالہ فیس لیتا ہے، آپریٹر کے فنڈ کے نفع یا نقصان، یا انڈر رائٹنگ رزلٹس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس میں آپریٹر کو وکالہ فیس کے علاوہ حسن کارکردگی کی بنیاد پر کچھ مزید رقم بھی ملتی ہے۔ یاد رہے اس ماڈل میں بھی کمپنی کو سرپلس میں سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں۔

مضاربہ + وکالہ ماڈل

اس میں آپریٹر وکیل بھی ہوتا ہے اور مضارب بھی لہذا وکالہ کی بنیاد پر اس کو وکالہ فیس ملتی ہے اور مضاربہ کی

وجہ سے اس کو مضاربہ شیئر ملتا ہے۔

اس ماڈل میں وکالہ فیس کا نفع سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بہر حال کمپنی کو ملے گی البتہ مضاربہ شیئر صرف نفع کی صورت میں ملے گا اکثر کمپنیوں میں PTF مضاربہ اور وکالہ دونوں بنیادوں پر ہوتا ہے۔

تکافل اور مروجہ انشورنس میں بنیادی فرق

(۱) تکافل محض عقد تبرع ہے جبکہ مروجہ انشورنس عقدِ معاوضہ ہے اور دونوں کے احکام بالکل الگ الگ ہیں۔

(۲) تکافل میں فائض میں ممبرز کو بھی حصہ مل سکتا ہے جبکہ انشورنس میں سارا فائض کمپنی کا ہوتا ہے۔

(۳) تکافل میں اس جانے والی رقم فنڈ کی ملکیت میں جاتی ہے کمپنی اس کی مالک نہیں ہوتی جب کہ انشورنس میں اس رقم کی مالک کمپنی ہوتی ہے۔

(۴) تکافل میں ان جمع شدہ رقوم کا منافع فنڈ میں جاتا ہے جبکہ کمپنی اس کی مالک نہیں ہوتی جبکہ انشورنس میں اس نفع کی مالک بھی کمپنی ہوتی ہے۔

(۵) تکافل کا اصل مقصد تعاون علی البر والتقویٰ ہے، کوئی کاروبار نہیں جبکہ انشورنس کا اصل مقصد کاروبار اور نفع ہے۔

(۶) تکافل میں کمپنی کی حیثیت وکیل کی ہے جبکہ انشورنس میں کمپنی اصیل اور مالک ہے۔

(۷) تکافل کی باقاعدہ شرعی نگرانی ہوتی ہے اور اس میں یہ تاکید کی جاتی ہے کہ فنڈ کو صرف ان معاملات میں لگایا جائے جو شریعت کے مطابق ہوں، فنڈ کو ناجائز کاروبار میں لگانا جائز نہیں ہے چناں چہ تکافل رولز 2005ئ کی رو سے ہر کمپنی کے لئے شریعہ بورڈ کا قیام ضروری ہے جس میں کم از کم تین ممبر ہوں، جبکہ انشورنس میں اس طرح کی کوئی نگرانی نہیں اور نہ ہی اس طرح کی کوئی پابندی ہے جہاں فائدہ نظر آئے وہاں سرمایہ کاری ہوتی ہے، اس میں جواز وعدم جواز کا خیال نہیں کیا جاتا۔

(ماخوذ از: تکافل کی شرعی حیثیت)

فقہ وفتاویٰ

قربانی سے متعلق چند احکام

ادارہ

بڑے جانور کی قربانی میں عقیقہ کی نیت

سوال: بڑے جانور کی قربانی میں اگر کوئی عقیقہ کی نیت کرے تو کیا ایسی نیت کرنا صحیح ہے؟ اس سے قربانی اور عقیقہ درست ہو جائے گا؟

جواب: قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت کرنے میں کوئی حرج نہیں اس سے قربانی اور جتنے حصوں میں عقیقہ کی نیت کی وہ عقیقہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ (ماخوذ از: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۲۵، کتاب الاضحیہ)

مرحومین کی طرف سے قربانی

سوال: مرحومین کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو ہر ایک میت کے لئے متفرق (الگ الگ) حصہ رکھنا ضروری ہے یا پھر ایک میں سب شریک ہو سکتے ہیں؟

جواب: ہر ایک کے لئے الگ الگ حصہ رکھنا ضروری ہے، ایک حصہ ایک سے زائد میت کے لئے کافی نہیں ہے البتہ اپنی طرف سے نفل قربانی کر کے اس کا ثواب ایک سے زائد مرحومین اور زندوں کو بخشنا درست ہے، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قربانی کا ثواب پوری امت کو بخشا تھا، گنجائش ہو تو مرحومین کے لئے ضرور قربانی کریں بڑے ثواب کا کام ہے، اس سے مرحومین کو فائدہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۲۵ کتاب الاُضحیہ)

قربانی کا گوشت غیر قوم کو دینا

سوال: قربانی کا گوشت غیر قوم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۲۵ کتاب الاُضحیہ)

سینگ کٹے جانور کی قربانی

سوال: جس جانور کی سینگ جڑ سے اُکھاڑ دی گئی ہو یا ٹوٹ گئی ہو تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہے؟

جواب: جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں ان کی قربانی درست ہے ہاں اگر سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا جڑ سے اُکھاڑ دیے گئے ہوں اور اس کا اثر دماغ تک پہونچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز اور درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، زکریا: ۶/ ۳۵۵ کتاب الأضحیہ)

قربانی کے جانور کی عمریں

سوال: قربانی کے جانوروں کی عمریں کتنی ہونی چاہیئے؟

جواب: قربانی کے جانور کا ''مسنہ'' ہونا ضروری ہے یعنی اونٹ پانچ سال کا، گائے وغیرہ دو سال کی اور بھیڑ، بکری وغیرہ کا ایک سال ہونا ضروری ہے، البتہ چھ ماہ کا دُنبہ کھا پی کر خوب موٹا سا ہو گیا اور سال کا معلوم ہوتا ہے تو اس کی قربانی بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۴۸)

بڑے جانور میں ادا اور قضا کی نیت

سوال: قربانی کے جانور میں ایک شخص نے اس سال کی قربانی کی نیت کی اور دوسرے نے گذشتہ سال کی قربانی کی نیت کی تو قربانی ہوگی یا نہیں؟ دونوں کی ہوئی یا کسی کی بھی نہیں ہوئی یا کسی ایک کی ہوئی؟

جواب: اس صورت میں اس سال کی قربانی کی نیت کرنے والے کی قربانی درست ادا ہوگئی اور گذشتہ سال کی قربانی کی نیت کرنے والی کی نفل قربانی ادا ہوگی، قضا ادا نہیں ہوگی، لہذا اس کے لئے بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور قربانی کا پورا گوشت بھی واجب التصدق (یعنی صدقہ کرنا واجب) ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم، زکریا: ۶/ ۳۱۱ کتاب الأضحیہ)

بکرے کا کان لمبائی میں چیرا ہوا ہونا

سوال: کسی بکرے کا مکمل کان موجود ہے مگر لمبائی میں چیرا ہوا ہے تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہوگی؟

جواب: کان مکمل موجود ہے لمبائی میں چیرا ہوا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۵۴، کتاب الأضحیہ)